میرے
شام وسحر
از
حنا کامران

حنا کامران

ناول

میرے شام وسحر

تب جگ بھی سارا دیکھے گا
کسی رات کی رانی کی خاطر
کوئی دن کا راجہ رووے گا
اور رات نگر کے رستے میں
کوئی سانپ ہلکولے لے وے گا
باغوں میں کھلے گا پھول فقط
گر کانٹا ساتھ نبھاوے گا
پھر الٹی ہونگی مشقیں سب
اور کچھ نہ ہاتھ آوے گا
ہمدردی کا پرچار بہت
پر کون جو ساتھ نبھاوے گا

مہر وفا کا انجام برا

ہر شخص یہی بتلاوے گا

جب روگ محبت لگ جاوے

چین کہاں پھر آوے گا

بس شور ہی ہو گا نگر نگر

پس سوگ منایا جاوے گا

جب عشق تماشا ہووے گا

تب جگ بھی سارا دیکھے گا

ٹائروں کے چرچرانے کی آواز فضا میں گونج اٹھی۔ انکی گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی۔ وجہ وہ بے تحاشہ گاڑیاں تھیں جنہوں نے انکی کار کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ زرین نے ہراساں نظروں سے اپنی دلہن بنی بہن کو دیکھا جو ڈرائیور پر برسنے لگی تھی۔

''اشرف انکل! روک کیوں دی گاڑی۔ چلائیں نا، آپکو نہیں پتا ہمیں پہلے ہی کتنی دیر ہو چکی ہے۔''

''وہ وہ بی بی جی، سامنے رکاوٹ ہے۔''

وہ بیچارہ تو پہلے ہی اسکے غصے سے پناہ مانگتا تھا اس تحکم بھرے انداز سے تو گھگھیا کر رہ گیا۔

''تو ہارن بجائیں نا، ہٹائیں ان گاڑیوں کو۔'' کہتے ساتھ ہی اس بے صبری نے آگے جھک کر ہارن پر ہاتھ رکھ دیا۔

''آپی! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

زرین نے کانپتے ہاتھوں سے اسکی کہنی کو دبوچا تھا۔ اس نے ٹھٹک کر اپنی نازک دل بہن کو دیکھا اور کچھ نہیں ہوتا کہہ کر اسکا سر اپنے شانے پر ٹکا کر تھپکنے لگی۔ ان گاڑیوں سے مسلح افراد نکلے اور ان کی کار کے گرد دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے۔

''انکو تو میں پوچھتی ہوں۔''

ڈرائیور جب ان سے بات کرنے گیا تو اسکی بات سننے کی بجائے وہ اسکے سر پر بندوق تانے اسے گھٹنوں کے بل بٹھا چکے تھے۔ اس سے برداشت نہیں ہوا۔ زرین کے منع کرنے کے باوجود وہ گاڑی سے اتر چکی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' وہ غصے سے پھنکاری۔ اس سے پہلے کہ وہ اور کچھ کہتی تیز ہیڈ لائٹ کے ساتھ بی ایم ڈبلیو وہاں آ کر رکی تھی۔ مسلح افراد کا دائرہ ٹوٹا شوفر تیزی سے گاڑی سے اترا اور مستعدی سے دروازہ کھولا۔ گرے ڈریس پینٹ اور بلیک چمچماتے شوز والا پاؤں باہر نکلا تھا۔

وہ لب بھینچے دائرہ توڑے ان افراد کو دیکھنے کے ساتھ اب گاڑی سے نکلنے والے اس شخص کو نظروں کے حصار میں لینے لگی جو چہرے پر تفاخر سجائے گاڑی سے جھک کر نکلا اور اپنے کوٹ کو جھٹک کر سامنے کا بٹن بند کرتا مغرور چال چلتا ہوا اس تک آیا۔ اسکے ہر قدم میں فتح کا خمار تھا۔

''کون ہو تم؟ اور ہمارا راستہ کیوں روکا ہے؟''

وہ دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے عمیق نظروں سے اسکا جائزہ لے رہا تھا۔ پیچ اور پنک کلر کے برائیڈل ڈریس میں بلاشبہ وہ حسین لگنے کے ساتھ اسے بری لگی کیوں کہ یہ سنگھار اس کے لئے نہیں تھا جو کہ ہونا چاہئے تھا۔

اس نے اپنی ریڈش براؤن آنکھوں کو سکیڑ کر اسے دیکھا پھر ایک معنی خیز سا تبسم اسکے عنابی لبوں پر آن ٹھہرا۔

''کیا تمہیں لگتا ہے میں تمہارے راستے میں ہوں؟ وہ تم ہو جس نے میرے تمام راستے روکے ہیں۔''

بھاری گھمبیر آواز اور معنی خیزیت سے کہے گئے اس اجنبی کے جملے اسے تپا گئے۔ وہ پہلے ہی ہال کیلئے لیٹ ہو چکی تھی اوپر سے یہ بکواس۔ اس نے مڑ کر زرین کو دیکھا جو سیل کو کان سے ہٹائے نم اور سہمی نظروں سے اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔ شاید اس نے گھر اطلاع دے دی تھی۔ گہرا سانس بھرتے ہوئے غصے کو پس پشت ڈال کر وہ گاڑی کی سمت مڑی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اسے اسکی نانی یاد دلا دیتی لیکن اسوقت نہ ہی موقع ایسا تھا اور نہ ہی اسکا حلیہ۔

''آ آ آ آ...... اتنی جلدی بھی کیا ہے، ساتھ چلتے ہیں۔''

وہ یکدم اسکے سامنے آیا تھا۔ اسکے اس طرح آنے سے وہ بری طرح بوکھلائی۔

''کیا بکواس ہے یہ؟''

''بکواس نہیں ہے یہ۔I have a wedding gift for Beb you''مسکرا کر کہتے ہوئے اسکا چہرہ یکدم کرخت ہوا۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی سمجھتی گیلا ٹشو اسکے حواس سلب کر گیا تھا۔وہ منٹوں میں ہوش وخرد سے بیگانی ہوئی تھی۔

۞......۞......۞

رم جھم بارش کی پھوار پڑ رہی تھی۔آسمان کو گہرے سیاہ بادلوں نے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔کہیں کہیں روئی کے سفید گالوں جیسے بادل بھی ان گدلے بادلوں میں اپنی جگہ بنائے ہوئے تھے۔ٹھنڈی خوشگوار ہوا ماحول کو مسحور کن کیئے ہوئے تھی۔ہر کوئی موسم انجوائے کرنے باہر نکلا ہوا تھا۔ان بہت سو میں وہ بھی شامل تھی۔خوش وخرم چہروں میں بے حد اداس وملول سی رین کوٹ پہنے وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی سر جھکائے چل رہی تھی۔خاموشی اور رنج کا خول مکمل طور پر اسے مقید کیئے ہوئے تھا۔دنیا ومافیہا سے بیگانی وہ اپنی ہی دھن میں چلے جا رہی تھی۔کتنے ہی سائے اسکے آس پاس سے گزر رہے تھے۔کتنی ہی آوازیں اسکے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں لیکن ان تمام سائیوں میں صرف اسی کا سایہ نہیں تھا،ان تمام آوازوں میں اسی کی آواز نہیں تھی۔

آنکھوں میں آئی نمی اس نے انگلی سے صاف کی۔بارش تھوڑی تیز ہوگئی تھی۔بادلوں کی آنکھوں سے زمین پر گرتا ہر قطرہ اسے اپنے دل پر گرتے ہوئے آنسوؤں کی مانند لگ رہا تھا۔وہ دل جس کو بری طرح کچلا گیا تھا۔جسکی رتی برابر بھی قدر نہیں کی گئی تھی۔لفٹ میں داخل ہو کر اس نے تھرڈ فلور کا بٹن پش کیا۔لفٹ اپنی منزل کی طرف گامزن تھی لیکن لفٹ میں کھڑی وہ لڑکی اپنی منزل بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی۔لفٹ کا دروازہ کھلتے ہی وہ اپنے اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئی۔

اپارٹمنٹ کے چھوٹے سے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے سلام کیا تھا لیکن وہاں کوئی ہوتا تو جواب دیتا نا۔خود پر خود ہی تضحیک آمیز انداز میں مسکراتی وہ اپنے کمرے میں آئی،رین کوٹ اتار کر اسٹینڈ پر لٹکایا اور کمرے میں موجود واحد کھڑکی کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔شیشے کی سلائیڈنگ ونڈو اس نے سرکائی تھی۔تیز ہوا کا جھونکا اسکے صبیح چہرے کو چھو گیا۔اس نے اپنا ایک ہاتھ باہر نکالا۔بارش کے ننھے ننھے قطرے اسکے ہاتھ پر چھوٹا سا دریا بنانے لگے۔ہوا کے جھونکے کے ساتھ بارش کی پھوار اسکے چہرے کو بھگونے لگی۔اس نے اپنی آنکھیں بند کیں۔

پلکوں کی باڑ گرتے ہی ایک چہرہ دیئے کی طرح دل کی سیاہ دنیا میں روشن ہو گیا۔ آہ......اداس سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''تم کو کیسے بھول جاؤں بازل تہمان! تم نے تو میری روح کو ایسے قید کیا کہ یہ تمہاری محبت کے قفس میں پھڑ پھڑائے بس اب قضا کی منتظر ہے۔ اسے تو نہ ہی تمہاری بے رخی کی پرواہ ہے اور نہ ہی میرے ضبط کی۔'' غیر مرئی نقطے پر نگاہ جمائے وہ دل میں اس ہرجائی سے مخاطب تھی۔

''تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا بازل تہمان؟'' جذبات اسکی آنکھوں سے بہنے لگے۔

''کیوں مجھے بیچ بھنور کے چھوڑ دیا؟ تم نے یہ تک نہیں سوچا کہ میرا کیا ہو گا؟'' اسکی آواز میں بھراہٹ آگئی تھی۔ ایک دکھ اسکی آنکھ سے بہہ رہا تھا اور ایک آسمان کی آنکھ سے۔ لب کاٹتے ہوئے اس نے آسمان کی جانب نظریں دوڑائی تھیں۔

''میری محبت کی تذلیل کر کے آخر تمہیں مل کیا گیا؟ لیکن میں پھر بھی اللہ سے تمہاری خوشیوں کی دعا کرتی ہوں کہ مجھے میری محبت نہیں ملی لیکن تمہیں تمہاری محبت ضرور ملے۔ آہ قسمت بھی کیسے کیسے کھیل کھیلتی ہے۔ میرے ساتھ جو ہوا اسکے ذمہ دار تم نہیں شاید میری قسمت ہی تھی۔ صحیح کہتے ہیں، چاہا جانے والے چاہنے والے سے بہتر ہوتے ہیں۔''

اس نے بارش میں کیا ہوا ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا۔ ہاتھ میں بنا ہوا ننھا دریا انگلیوں سے پھسل کر بارش کے پانی میں مدغم ہو کر رہ گیا۔

''کاش میں بھی چاہے جانے والوں میں سے ہوتی۔''

کھڑکی کو اس نے بند کر دیا تھا جیسے قسمت اس پر بند ہوئی تھی۔

''اس دنیا میں نہ سہی تو کیا ہوا بازل تہمان! روز محشر تو تم سے ملاقات ہو گی نا۔ تب تم سے پوچھوں گی آخر کیوں تم نے مجھ کو ٹھکرایا؟ کیوں میری محبت کو رد کیا؟ کیوں مجھے زمانے کی تپتی دھوپ میں بنا چادر کے جھلسنے کیلئے چھوڑ دیا؟ آخر کیوں؟''

......

بڑی ساری بلیک کلر کی ریوالونگ چیئر میں دھنساوہ اس پری وش کا چہرہ دیکھنے میں مگن تھا جس نے اسکے دل کی دنیا کوزیروبم کر دیا تھا۔ پرتعش بلیک اور گرے کلر کے کمبنیشن کا آفس سیاہ فرنیچر سے سجا مکین کے سیاہ رنگ سے لگاوٹ کا امین تھا۔ اے سی کی ٹھنڈی ہوا اسکی صبیح پیشانی کو بڑا لطف پہنچا رہی تھی۔ وہ اپنی ریڈش براؤن آنکھوں کو اسکی سیاہ گہری آنکھوں میں گما چکا تھا جب سرفراز ڈور ناک کرتا ہوا اجازت کا منتظر تھا۔ بازل نے ناگواریت سے فون نیچے رکھا اور اسے اندر آنے کی اجازت دی۔

چکنے ٹھنڈے فرش پر پاؤں جماتا وہ محتاط انداز میں دروازہ بند کرتا اندر آیا تھا اور مؤدب سا اسکے سامنے کھڑا ہو گیا جس کے لب آپس میں پیوست تھے اور آئی بروسوالیہ انداز میں اچکی ہوئی تھیں کہ کہو جو کہنے آئے ہو۔

''سر! وہ اس بار بھی جو مال خاکوانی کی طرف سے آیا ہے اس میں ضرورت سے زیادہ ملاوٹ کی گئی ہے۔ میں نے اس پر ایکشن لیا تو اب وہ ہمیں مال دینے سے منع کر رہا ہے اوپر سے جو ایڈوانس اس نے لیا ہے اسکو بھی ضبط کرنے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔''

سرفراز کی بات کو بڑے تحمل سے اس نے سنا تھا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ کوٹ اتار کر کرسی کی پشت پر رکھا۔ نیوی بلیو ویسٹ کوٹ کے نیچے چھپی براؤن ٹائی کو درست کرتے ہوئے سن گلاسز لگائے اور سیل فون ہاتھ میں پکڑتے ہوئے وہ دھپ دھپ کیبن سے باہر نکلا۔ سرفراز نے بھاگ کر اسکے لئے دروازہ کھولا تھا۔ باہر آتے ہی پیون چوکنا ہو کر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے لفٹ کا بٹن دبایا۔ جب تک بازل وہاں پہنچا لفٹ کھل چکی تھی۔ شیشے کی لفٹ میں وہ جا کر کھڑا ہوا۔ سرفراز نے ڈرائیور کو گاڑی ریڈی کرنے کو کہا۔ شیشے کی لفٹ میں سے اس نے اپنے ڈھیر سارے ورکرز کو دیکھا جو اسکی شبیہہ کو دیکھ کر اور مستعدی سے اپنے کام میں جت گئے، الرٹ ہو گئے۔

وہ ورکنگ ایریا میں آیا۔ گڈ نون سر کی آوازیں چاروں طرف سے آنے لگیں۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو منع کیا۔ یکدم خاموشی چھا گئی وہ ناک کی سیدھ میں چلتا اپنے لئے کھولے گئے دروازے سے باہر نکلا اور بی ایم ڈبلیو میں جا کر بیٹھ گیا۔ گاڑی ایک عام سے آفس کے باہر آ کر رکی تھی۔ وہ اپنی مخصوص چال چلتے ہوئے اس پتھروں سے بنے آفس میں آیا اور ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر خاکوانی کا انتظار کرنے لگا۔

''سر! آپکو کچھ چاہئے؟'' چہرے پر ضرورت سے زیادہ میک اپ لگائے خاکوانی کی سیکرٹری جو اسے اس

کمرے میں بٹھا کر گئی تھی لبوں پر مسکان سجائے اس سے پوچھ رہی تھی۔

''اورنج جوس۔'' مصروف سے انداز میں سیل پر نظریں جمائے اس نے کہا تھا۔

''اوکے سر! بس باس ابھی آتے ہی ہیں۔'' پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ وہ اسے کہہ کر دیکھنے لگی تھی۔ کسرتی جسم، سرخ وسفید رنگت بھرے بھرے گلابی و بھورے ہونٹ ریڈش براؤن آنکھیں، آنکھوں سے ملتے جلتے بال ہلکی ہلکی داڑھی میں چھپے گہرے ڈمپل، چھ فٹ سے نکلتا قد، چوڑی پیشانی اور اس پر قبضہ جمائے ہلکی ہلکی تیوریاں آنکھوں و چہرے پر ٹھہری سرد سی سنجیدگی۔ وہ بلاشبہ ایک ٹھٹکا دینے والا پرکشش مرد تھا۔ وہ بے خودی اسے تکتی گئی۔ بازل نے نظریں اٹھا کر ناگواریت سے اسے دیکھا تو وہ بری طرح بوکھلائی تھی۔

''وہ......وہ سس......سوری سر۔''

ایک سیکنڈ سے پہلے وہ کمرے سے بھاگی تھی

''نان سینس۔'' وہ بڑبڑایا۔

دو منٹ میں اورنج جوس اسکے سامنے ٹیبل پر رکھ کر وہ اسکی نظروں سے خائف ہوتی ہوئی باہر چلی گئی تھی۔ وہ ابھی میسج ہی ٹائپ کر رہا تھا جب خاکوانی کمرے کے دروازے میں ابھرا۔

''زہے نصیب، آج قسمت کیسے ہمارے در پر موجود ہے۔'' اٹھاون سالہ شخص نے اس سے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا کر خوش اخلاقی سے کہا جبکہ گھبراہٹ اسکے چہرے پر واضح پھیلی ہوئی تھی۔

''آں مسٹر عبدالوہاب خاکوانی۔'' اس نے سیل فون پر سے نظریں ہٹا کر طنزیہ لہجے میں کہا۔'' کیسے ہیں آپ؟ میں بازل تہمان۔''

بھرپور سنجیدگی سے کہہ کر اس نے خاکوانی کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما تھا۔

''غالباً آپ نے مجھے پہچان لیا......نہیں؟''

خاکوانی کھسیا کر رہ گیا۔

''کمال کرتے ہیں سر، آپکو کون نہیں جانتا۔'' خاکوانی نے اپنے لبوں کو تر کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر دعا کریں میں کوئی کمال نا ہی کروں۔ کیونکہ یہ آپکے لئے بہتر ہے۔ نہیں۔'' سرد جماد دینے والی آواز

سے کہہ کر وہ اسکے منجمد وجود کو دیکھنے لگا۔
"سر! وہ دراصل جتنے بھی مال میں ملاوٹ ہوئی ہے وہ میں نے ورکرز کو واپس لانے کا کہہ دیا ہے۔ کل تک ملاوٹ سے پاک سیمنٹ اور بجری آپ تک پہنچ جائے گی اور پچھلا جتنا بھی نقصان ہوا اسکی بھی بھرپائی جلد از جلد کر دی جائے گی۔"
بازل تہمان سے دشمنی مطلب اپنی قسمت سے دشمنی تھی۔ وہ شیر کی کچھار میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا تبھی اسکی ڈھکی چھپی دھمکی سن کر سیدھے لائن پر آیا۔ بازل کے لبوں پر ہلکا سا خم ابھرا، آنکھوں کی سختی برقرار رکھے وہ مستحکم لہجے میں بولا۔
"ملاوٹ نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔ آئی جسٹ ہیٹ ملاوٹ، ملاوٹی لوگ، ملاوٹی چیزیں اور ملاوٹی رشتوں کی میری لائف میں کوئی جگہ نہیں۔ کانٹریکٹ بھی میرے لئے ایک رشتے کی طرح ہی ہے جس میں ملاوٹ مجھے قطعی پسند نہیں۔ میں مخلص ہوں تو تمہیں بھی مخلص رہنا پڑے گا۔ دس از لاسٹ چانس فار یو۔ سیکنڈ میں دیا نہیں کرتا کیونکہ پھر میں کیا کرتا ہوں اور جو میں کرتا ہوں نا۔" اس نے کھڑے ہو کر اسکا کالر جھاڑ کر درست کیا وہ۔ اس نے ڈرامائی وقفہ لیا۔ "چلو چھوڑو، وہ میں تمہیں کر کے دکھاؤں گا۔ زیادہ مزہ آئے گا۔ ہمم۔" اسکا سینہ تھپتھپا کر وہ بھاری قدموں سے دھپ دھپ کرتا اسکے پسینے چھڑا کر وہاں سے چلا گیا۔
گاڑی میں ابھی آ کر بیٹھا ہی تھا کہ سیل فون بجنے لگا۔ سکرین پر نظریں پڑتے ہی اسکا چہرہ شگوفوں کی مانند کھلنے لگا۔ صوفی کالنگ، اس نے جھٹ سے کال اٹینڈ کی۔
"السلام علیکم، بابا کی جان کیسا ہے میرا بیٹا؟ ٹھیک ہو؟ پتا ہے بابا نے آپکو کتنا مس کیا۔" شیریں لہجے میں محبت سموئے وہ بے چینی کی حد تک اسکی آواز سننے کیلئے تڑپ رہا تھا۔ کتنا عرصہ ہوا اپنی جان کی آواز سنے ہوئے۔
"ششش، آہستہ بابا، ممی نے سن لیا تو بہت ناراض ہوں گی۔" سلام کا جواب دیتے وہ سرگوشی میں بولی تھی۔ جیسے وہ چھپ کر بات کر رہی ہو۔ بازل کے دل پر ہاتھ پڑا۔ سارا جوش پل میں ضائع ہوا۔
"اور ممی تو کیا میں بھی آپ سے ناراض ہوں بابا۔ کیا آپکو میری یاد نہیں آئی۔ پہلے تو آپ کہتے تھے صوفی جب جب مجھے مس کرے گی تو میں دوڑا چلا آؤں گا۔ آپ آتے بھی تھے پھر اس بار کیا ہوا، میں نے آپکو کتنا یاد کیا

پر آپ نہیں آئے۔ کیوں بابا؟''

وہ اسکی خفا خفا معصوم سی آواز پر پھیکا سا مسکرایا۔ بے اختیار دل کو سرزنش کی جسکی خاطر وہ اپنے اتنے عزیز رشتوں سے دور ہو گیا تھا۔

''سوری جان، بابا جلد ہی آپ سے ملیں گے۔ اب آپ جلدی سے بیڈ کے نیچے سے نکلو ورنہ سنیزنگ سٹارٹ ہو جائے گی آپکو۔'' صوفی کو ڈسٹ پرابلم تھی تبھی وہ متفکر سا بولا۔

''اوکے بابا! ٹیک کیئر، آپ جلدی سے ممی سے پیچ اپ کر کے واپس آ جائیں۔ وہ بہت اپ سیٹ ہیں، آپ کے بغیر اور میں بھی آپکو بہت مس کرتی ہوں۔ لو یو بابا۔ مووہا۔''

اس نے کال ڈسکنیکٹ کی اور آنکھیں موند کر سیٹ کی پشت سے سر ٹکا لیا تو آج واقعی طے ہوا۔ طلسہ امام بازل تہمان کا دل چرا کر تم نے اسے اسکے اپنوں سے دور کر دیا۔ وہ اپنے جن میں کبھی اسکی جان بستی تھی، آج تم نے اسکی جان کو اپنے دل میں قید کر لیا کتنا ظلم کیا نا تم نے۔

''ہیلو مسٹر واجد! آپ میرے کیبن میں آیئے گا پلیز۔'' فون کے رسیور میں بریا کی آواز ابھری تھی۔

''یس میم۔'' دوسری طرف سے مؤدب انداز میں کہا گیا تھا۔ ابھی واجد اس سے فائلز لے کر نکل ہی رہا تھا جب ''میں اندر آ جاؤں'' کی آواز اسکے کیبن کے دروازے پر ابھری۔ بریا نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سامنے وجدان انکل کھڑے تھے۔ وہ فوراً بولی۔

''ارے انکل! پوچھ کیوں رہے ہیں آئیں نا اینڈ تھینک گاڈ، آپ آ گئے ورنہ میں آپ کے پاس ہی آ رہی تھی۔ ایکچولی ان فائلز میں سے کچھ پوائنٹس کے متعلق آپکی رائے چاہیئے تھی۔'' اس نے سامنے پڑی فائلز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں بیٹا، دکھاؤ۔'' وجدان مرتضیٰ نے خوشدلی سے کہا۔

اپنے پاپا کی کمپنی بریا نے دس مہینے پہلے ہی جوائن کی تھی اسلیئے بزنس کے اتار چڑھاؤ ابھی تک سیکھ ہی رہی تھی۔ وجدان مرتضیٰ اسکے پاپا کے بہت گہرے کالج کے زمانے کے دوست تھے۔ انکا ایک اکلوتا بیٹا خان مرتضیٰ

تھا۔ جو اپنی پڑھائی مکمل کرنے کے بعد اپنے پاپا کی کمپنی جوائن کر چکا تھا۔

خان مرتضٰی کے ساتھ بریا کی بہت گہری دوستی ہو گئی تھی۔ اسکی ایک وجہ بازل تہمان بھی تھا کیونکہ بازل تہمان کے ٹھکرانے کے بعد جن دنوں بریا سخت ڈپریشن کا شکار تھی ان دنوں خان کا قیام پاکستان میں تھا۔ اس نے ہی بریا کی بہت ذہنی مدد کی تھی اور ڈپریشن ختم کرنے میں اسکے ساتھ ساتھ رہا تھا جس میں اسکی مخلص دوستی اور اخلاق کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

یہ خان ہی تھا جس نے اسکے پاپا کو سارا کاروبار پاکستان سے وائنڈ اپ کر کے دوبئ شفٹ کرنے کا مشورہ دیا اور انہوں نے مان بھی لیا تھا۔ یوں ان لوگوں کی بزنس میں پارٹنرشپ بھی ہو گئی تھی۔ ماحول اور جگہ چینج کرنے سے بریا کی زندگی میں ٹھہراؤ تو آ گیا تھا لیکن بازل تہمان کی فراق میں اسکی کیا حالت تھی وہ تو صرف بریا کا دل جانتا تھا یا اسکا اللہ۔

۞......۞......۞

اسکے پپوٹے شدید بھاری ہو رہے تھے۔ اتنا کہ انہیں کھولنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ درد کی شدت سے سر پھٹا جا رہا تھا۔ وجود بے جان سا لگ رہا تھا۔ حواس بیدار ہوتے ہی اسکی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلنے لگی تھیں۔ آنکھوں میں شدید بھاری پن تھا۔ دھندلائی نظر سے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس نے بمشکل اپنی گردن دائیں جانب موڑی تھی۔ ایک منٹ تک اپنی برابر والی سیٹ پر بیٹھے شخص کو خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی جو آنکھوں پر بغیر فریم والا نظر کا چشمہ لگائے۔

"Unspokenfeelingsofagentleman"

پڑھ رہا تھا اسے بیدار ہوتا دیکھ وہ اسکی اور مڑا اور مسکراتے ہوئے جھک کر اسکے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔

''We are in the flight have sweet dreamy sleep dear Talsa''

اس سے پہلے وہ کچھ کہتی سمجھتی پھر سے وہی بو اسکی ناک سے ٹکرائی تھی اور ایک بار پھر وہ حواس کھو گئی۔

گہرا سانس بھرتے ہوئے اس نے نمبر ڈائل کیا تھا۔رنگ جا رہی تھی۔ ہر جاتی رنگ کے ساتھ اسکا دل ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ بازل نے لب کچلنے شروع کیئے۔ یہ اسکے اضطراب کی انتہا تھی۔فون نہیں اٹھایا گیا۔اس نے سختی سے دانت پر دانت جمائے ایسے کہ اسکے دماغ کی نسیں ابھرنے لگیں۔ آنکھیں بند کر کے کھولتے ہوئے اس نے ایک بار پھر سے کال ملائی تھی۔ بیل جا رہی تھی ایک......دو......تین......چار...... چوتھی بیل پر فون اٹھالیا گیا تھا۔دونوں طرف خاموشی تھی۔ گہری جامد خاموشی۔ دو منٹ کی طویل جان لیوا خاموشی کو بازل کی بھاری گمبھیر آواز نے توڑا تھا۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟'' دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر جواب دیا گیا۔

''ٹھیک ہوں۔'' مختصر جواب۔

بازل لب بھینچتا ہوا ونڈو کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ باہر دوڑتی زندگی اسکی آنکھوں کی ویرانیوں کو کم کرنے کیلئے ناکافی تھی۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کس بیس پر آپ نے صوفی کو مجھ سے بات کرنے سے منع کیا ہے؟'' اسکے لہجے میں ہلکی سی خفگی کی جھلک تھی۔ادھر ادھر کی بات کرنے کی بجائے وہ ڈائریکٹ موضوع پر آیا تھا۔

''کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی، صوفی کے ذہن پر کچھ غلط اثر پڑے۔''

ان لفظوں نے گویا اسکے تن بدن میں آگ لگادی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسکی آواز تیز ہوگئی تھی۔

''مت بھولیں کہ وہ میری بھی بیٹی ہے اور آپ اسکو مجھ سے بات کرنے سے منع نہیں کرسکتیں۔'' وہ دبے دبے غصے میں چلایا تھا۔ بازل کے چلانے پر انکی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

''میں نہیں بھولی ہوں کہ صوفی تمہاری بھی بیٹی ہے بازل تہمان! تم اتنا بدل جاؤ گے میں نے سوچا نہ تھا۔''

رندھی آواز پر بازل کے دل پر مکا پڑا تھا۔ ہابی کا رونا ہی تو اس سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔

''میں نہیں بدلا ہوں ہابی اور آپکو لگتا ہے میں بدل سکتا ہوں؟'' اسکے لہجے میں شکایت ہی شکایت تھی۔ ''اور پلیز، آپ رونا بند کریں۔ آپ جانتی ہیں یہ مجھے تکلیف دیتا ہے۔''

ہابی اسکے اعتراف پر اور پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہوگئی۔ وہ کتنا سنجیدہ انسان تھا۔ کتنا کم گو چھپا چھپا سا

اپنی فیلنگز دل کے مقفل خانوں میں قید کر کے رکھنے والا بہت کم ہی اعتراف اسکی زبان کی نوک پر آتا تھا اور جب بھی آتا تھا ہابی کیلیئے آتا تھا یا پھر صوفی کے لئے۔سب کیلیئے بولنے میں کنجوس بازل تہمان صوفی کے لئے کھلے دل کا مالک ثابت ہوتا تھا۔اعتراف محبت، کھیل کود، مستی مذاق، ہنسنا نان سٹاپ بولنا صرف صوفی کے لئے تھا۔وہ دن میں ہزار بار صوفی کو کہتا تھا کہ اسے اس سے محبت ہے اور اس میں اسکی جان بستی ہے لیکن مہینوں میں وہ ہابی سے اعتراف کرتا تھا اور جب کرتا تھا ہابی کے دل میں انبساط کی لہر دوڑا دیتا تھا۔اپنا آپ بہت قیمتی سا محسوس ہوتا تھا۔ ہوتا ہے نا جن سے محبت ہو جب وہ اعتراف کریں تو شادمانی و مسرت ہر جگہ ڈیرہ جمانے لگتی ہے۔اپنی محبت کی شدتوں کو عمل سے دکھانے والے جب منہ سے بولتے ہیں نا تو یوں ہی دل بھر بھر جاتا ہے۔

''ٹھیک ہے روتی رہیں لیکن ایک بات یاد رکھیں، آپکی آنکھوں سے گرنے والا ہر قطرہ میرے دل پر گر کر اسے جلا رہا ہے اور اسکی جلن اتنی شدید ہے کہ دل میں بھرتے دھوئیں کے سبب میری سانس اٹکنے لگی ہے۔'' مدھم آواز میں کہہ کر وہ انہیں ساکت کر گیا۔

''اگر اتنی ہی پرواہ ہے میری تو مت جوڑو اسکے ساتھ رشتہ، نکال دو اسے ہم لوگوں کی زندگی سے۔''

ہابی کی بات بڑے ضبط کے ساتھ اس نے برداشت کی تھی لہجے کو متوازن کر کے بولا۔

''اسلام میں تو چار کی اجازت ہے ہابی اور میں تو ابھی......''

ہابی نے اسکی بات مکمل نہیں ہونے دی۔

''اجازت ہے مگر طریقے کی شادی کی۔''

''ہابی! مجھے فضول کی بحث میں نہیں پڑنا، بس اب آئندہ صوفی سے متعلق کوئی ایسی بات نہ سنوں میں جو میری برداشت سے باہر ہو پلیز۔''

اس نے بات ختم کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔وہ اپنے اور ہابی کے بیچ حائل تلخی کی دیوار کو جلد از جلد گرانا چاہتا تھا جو کہ اس موضوع سے چٹان کی طرح کھڑی ہو سکتی تھی۔

''ہاں اب تمہیں ہماری باتیں فضول ہی لگیں گی۔''

ہابی کے آنسو پھر سے شروع ہو گئے تھے۔بازل نے بے بسی سے موبائل کی طرف دیکھا۔

''خیر تمہیں نئی زندگی مبارک ہو، خوش رہنا۔ رہی صوفی کی بات تو اسکی سمر وکیشنز شروع ہوتے ہی میں اسکو تمہارے پاس بھیج دوں گی۔'' اللہ حافظ کہتے ساتھ ہی انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔

❂......❂......❂

وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔ دل پھر اس ظالم کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ بوجھل پن پر آنسو نکل کر گالوں کو بھگونے لگے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید دل برداشتہ ہو کر ضبط کھو جاتی دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا تھا۔ بریا نے جلدی سے خود کو سنبھالا۔

''مس اپ سیٹ، تمہیں کیا معاف ہے کسی کا فون اٹھانا۔'' خان جھنجھلاتا ہوا اندر آیا تھا۔

''کیا مطلب؟'' بریا نے ناسمجھی سے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ فون چیک کروا اپنا، پچاس کالز کر چکا ہوں اور سو میسجز مگر مجال ہے ایک بھی جواب آیا ہو۔'' وہ کیبن میں موجود صوفے پر دھڑام سے گرنے والے انداز میں بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔ بریا نے اسکے کہتے ہی موبائل اٹھایا اور پھر شرمندگی سے بولی۔

''وہ سائلنٹ پر تھا اسلیئے پتا نہیں چلا۔''

''تم نے پھر سائلنٹ پر لگا دیا۔'' خان نے بے یقینی سے پوچھا کیونکہ فون کی ٹیون آن کرتے ہوئے اس نے بریا کو لاسٹ وارننگ دی تھی کہ اب دوبارہ وہ اسے سائلنٹ پر نہیں لگائے گی اور یہ کام تو وہ بیچارہ ہر روز ہی کیا کرتا تھا۔

''تم نا ایک کام کرو فون رکھنا ہی چھوڑ دو تا کہ مجھ جیسے بیچارے جو تمہیں دن میں دس بار فون کرتے ہیں اور تم اٹھاتی نہیں ہو کم از کم اس خواری سے تو بچ جائیں گے۔'' وہ زچ ہو کر بولا تھا۔

''ہے نا۔ میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔'' بریا نے اسے چڑانے والے انداز میں کہا۔

خان نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہ تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا والے انداز میں اسکے قریب آیا۔ موبائل اٹھا کر رنگ ٹیون آن کی اور روز کا وہی گھسا پٹا ڈائیلاگ بولنے لگا۔

''اگر اب تم نے ٹیون بند کی تو......'' ابھی وہ بول ہی رہا تھا کہ بریا نے اسکی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

''کال کیوں کر رہے تھے؟''

''ارے ہاں دیکھو تمہارے چکر میں بھول ہی گیا میں۔ لنچ کیا تم نے؟''

خان کے پوچھنے پر بریا نے نفی میں سر ہلایا۔

''ہیں نا مجھے پتا تھا۔'' کہتے ساتھ ہی خان فون پر کھانے کا آرڈر دینے لگا۔

✡......✡......✡

کانوں میں مدھم مدھم سے گیت کی آوازیں آرہی تھیں۔ ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے اسکے وجود پر سرسراتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ سر میں درد کی شدت کم معلوم ہوتی تھی۔ آنکھوں کا بھاری پن بھی پہلے سے بہت کم تھا۔ ہوش میں آتے ہی بہت خوبصورت سوندھی سی خوشبو اسکے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ آنکھیں بنا کھولے ہی اسکے ماتھے پر تیوریاں ابھری تھیں۔ آہستہ آہستہ اس نے پلکوں کی باڑیں اٹھانا شروع کیں۔ بڑے سے آئینے میں اسے خود کا وجود نظر آنے لگا۔ اس نے آنکھیں میچ کر پھر سے کھولیں۔ دھندلکا چھٹا وہ خود کو لیٹے ہوئے شیشے میں دیکھنے لگی۔

بیڈ کی چھت پر نصب شیشہ چاروں اور سے زرد لائٹس و چھوٹے چھوٹے پلاسٹک کے پھولوں سے سجا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھی۔ اسکی نظریں کمرے کا احاطہ کرنے لگیں۔ بیڈ کی چھت ان چار تھموں کی وجہ سے کھڑی تھی جو لکڑی کے بنے تھے اور جن کا ڈیزائن ٹیڑھا تھا۔ لکڑی کے تھموں پر زرد لائٹس کی بیلیں لگی تھیں جو کہ اس وقت جل رہی تھی۔

پورا کمرہ لکڑی سے بنا تھا۔ دیواریں، دروازے، کبڈ سب لکڑی کا تھا۔ کمرے کی شہتیر والی چھت پر بڑے بڑے شیشے کے بلب لگے تھے جن میں زرد لائٹس اور افشاں بھری تھی جو کہ اس وقت جل کر کمرے کو خوابناک بنا رہے تھے۔ سامنے والی دیوار پر دروازے کے ساتھ بڑی ساری ایل ای ڈی لگی تھی۔ اسکے دائیں جانب کبڈ کے ساتھ ڈریسنگ ٹیبل تھی جسکا شیشہ بیڈ کے شیشے کی طرح ہی سجا تھا۔

ڈریسنگ کے ساتھ ہی واش روم کا دروازہ تھا جبکہ کمرے کے بائیں جانب صوفے سیٹ کے ساتھ بھاری کرٹینز دیوار پر گرے تھے۔ پورا کمرہ براؤن لکڑی سے بنا تھا جبکہ بیڈ شیٹ رگز اور صوفہ فلفی بلی کے کھال جیسے سفید اور باریک پروں والے نرم تھے حتیٰ کہ پردے بھی بلی کے کھال جیسے تھے۔

کمرے پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر وہ اپنا ہاتھ سر تک لے جانے لگی کہ ٹھٹک گئی۔اسکی انگلیاں مہندی کے ڈیزائن سے سجی تھیں۔اس نے جلدی سے ہاتھ سیدھے کئے۔ہتھیلیاں خالی تھیں اور انگلیاں سرخ رنگ میں رنگی اسکے وجود کو دھکا لگا گئی تھیں۔

وہ مہندی نہیں لگاتی تھی۔اسے پسند ہی نہیں تھی تو پھر یہ مہندی۔سن دماغ نے کام کرنا شروع تو آہستہ آہستہ سب کچھ یاد آتا گیا۔اسکا پارلر سے نکلنا، گاڑیوں کا انکا راستہ روکنا پھر وہ انجان آدمی کا آنا اور پھر وہ تلخ کلامی اور ہوش وخرد سے بیگانہ ہونا۔

"My God, i am kidnapped"

سر پکڑتے ہوئے اس نے آنکھیں میچی تھیں۔زرین اسکے دماغ نے جھما کہ کیا وہ فوراً بیڈ سے نیچے اتری تھی۔

"زرین کہاں ہے؟ وہ تو میرے ساتھ تھی۔" سوچتے ہوئے وہ دروازے کی سمت بڑھی ہی تھی کہ ناب کے گھومنے پر وہیں رک گئی۔دروازہ کھلا اور ایک 27،28 سالہ لڑکی مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

"Hello mam good after noon" چہکتی آواز کے ساتھ کہتے ہوئے اس نے ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔طلسہ لب بھینچتے ہوئے اس فرانسیسی لڑکی کو دیکھ رہی تھی جو جگ سے جوس گلاس میں انڈیل رہی تھی۔وہ اسکے قریب آئی اور اسکا بازو دبوچتے دبے دبے لہجے میں غرائی۔

"میں کہاں ہوں؟ یہ کون سی جگہ ہے؟ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے اور میری بہن، وہ کدھر ہے؟"

"میم! آپ یہ جوس پی لیں۔ میں سر کو بھیجتی ہوں۔" آرام سے اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوئے وہ سپیڈ سے دروازے کی جانب لپکی تھی۔اس سے پہلے کہ طلسہ اس تک پہنچتی وہ ڈور لاک کر گئی تھی۔طلسہ دروازے کی جانب بڑھی اور زور آزمائی کرنے لگی۔ناب کو پوری قوت سے اس نے ہلا ڈالا تھا مگر دروازہ نہ کھلا۔زور دار ٹھوکر دروازے کو مار کر وہ ونڈو کی جانب بڑھی تھی۔ایک جھٹکے سے پردے کھینچ کر ہٹائے۔دیوار گیر شیشے کی ونڈو بھی لاکڈ تھی۔جھنجلاتے ہوئے وہ پھر دروازے کی سمت بڑھی اور اسے پیٹنا شروع کر دیا۔

"کھولو دروازہ۔کھولو۔پلیز۔" وہ حلق کے بل چلائی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ اور زور آزمائی کرتی ناب کے گھومنے پر جھٹکے سے پیچھے ہوئی تھی۔ کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور وہی شخص لبوں پر مسکراہٹ بکھیرے اسکے مقابل آکر کھڑا ہو گیا۔

''کون ہو تم؟ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟ اور میری بہن کہاں ہے؟'' اسکے چہرے کو پہچانتے ہوئے وہ مضبوط لہجے میں شروع ہو گئی تھی۔ بازل نے مڑ کر ڈور بند کیا اور دو قدم چلتا اس تک آیا۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے ڈیئر۔ پوری زندگی پڑی ہے ایک دوسرے کو جاننے کیلیئے۔ تھوڑا مائنڈ کو تو ریلیکس کرو۔'' ڈریس پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ تھوڑا سا اسکی طرف جھک کر بولا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے یو بلڈی۔'' جھٹکے سے پیچھے ہوتے ہوئے اس نے گالی منہ میں ہی دبالی تھی۔ بازل اسکے پاس سے نکلتا ہوا صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا۔ اسکے ہاتھ صوفے کی پشت پر پھیلے تھے۔ بڑی گہری نظروں سے وہ اس Theif of heart کو دیکھنے لگا جس نے اسکے دل کو چرا کر اسے لاچار کر دیا تھا۔

اسکی نظریں اسکے سراپے پر تھیں۔ گہری سیاہ جھیل سی غلافی آنکھیں، تیکھی ناک بھرے بھرے گلابی پنکھڑیوں سے ہونٹ، گلابی سفید رنگت، لمبے سیاہ کمر سے نیچے جاتے بال اور اسکے حسن کو چار چاند لگاتا ٹھوڑی پر پڑا ڈمپل، پانچ فٹ اور آٹھ انچ سے نکلتا قد، آسمانی رنگ کی شلوار قمیض پر کھلے بالوں اور ستے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ بازل کو مسکرانے پر مجبور کر گئی تھی۔ طلسہ کو بازل کا مسکرانا بہت بری طرح کھلا تھا۔ اسکے اس طرح دیکھنے پر وہ تنک ہی تو گئی تھی۔

''اب اگر تمہاری گھٹیا آنکھوں کی ٹھنڈک پوری ہو گئی ہو تو بتانا پسند کرو گے کہ کون ہو تم اور میری بہن کدھر ہے۔ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟''

اسکے تنک کر کہنے پر بازل نے بڑے نارمل سے لہجے میں کہا

''ویل سوال تو اچھے ہیں لیکن اگر میں انکا جواب نہ دوں تو؟''

ٹانگ کو جھلاتے ہوئے وہ اس بپھری حسینہ کو اور آگ بگولہ کر گیا۔

''دیکھو، بکواس بند کرو اور بتاؤ میری بہن کدھر ہے؟''

''ہمم تو یعنی تمہیں جاننا ہی جاننا ہے۔'' اس نے پاؤں کو نیچے کیا اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بنا کر آگے کو

جھک کر بیٹھا۔

''کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو مجھ سے؟''

''زیادہ کچھ نہیں صرف ایک کانٹریکٹ۔''

''کیسا کانٹریکٹ؟''

طلسہ کے اردگرد خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ بازل مبہم سا مسکرایا۔

''لائف ٹائم کانٹریکٹ۔ تمہاری لینگویج میں نکاح۔''

طلسہ کے تو گویا ان لفظوں پر چھت سر پر گری تھی۔

''کیا بکواس ہے یہ۔ ہوش میں ہو تم۔ کیا کہہ رہے ہو میری تو شادی......'' کہتے کہتے وہ یکدم رکی تھی۔ اسکی تو شادی ہونے والی تھی صہیب کے ساتھ اور اب وہ یہاں ہے تو یعنی شادی نہیں ہوئی۔ مطلب بدنامی ورسوائی، شرمندگی وندامت۔ اسے اپنے پاپا کی جھکی نظریں دکھنے لگیں۔ ماما کا روتا ہوا چہرہ نظر آنے لگا۔ لوگوں کی باتیں طرح طرح کے الزامات، چہ میگوئیاں، خاندان کے لوگ اور صہیب، اس کاری ایکشن کیا ہوگا۔ وہ سیاہ فیوچر کو سوچتے ہوئے کپکپانے لگی۔ وہ سب برداشت کرسکتی تھی لیکن اپنے پاپا، ماما کی انسلٹ برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

بازل بڑے غور سے اسکے تاثرات کو نوٹ کر رہا تھا۔ لوہا گرم تھا۔ وار نے صحیح اثر کرنا تھا سو اس نے وار کیا۔

''نکاح کرنا ہوگا تمہیں مجھ سے۔ اگر ایسا کرو گی تو تمہاری بہن صحیح سلامت گھر پہنچ جائے گی دوسری صورت میں مجھے تمہیں ایسے رکھنے میں کوئی پرابلم نہیں ہے اور زرین کو عبد کو دینے میں۔ اب فیصلہ تمہارا ہے اور میں جانتا ہوں تم زیادہ ذہین ہوا پنا نا سہی اپنی بہن کا تمہیں بہت خیال ہے۔''

بازل کی دھمکی اسکا چہرہ سرخ کر گئی۔

''سوچ لو تم دونوں گھر سے دور ہو۔ کیا بیت رہی ہوگی تمہارے گھر والوں کے دل پر۔''

طلسہ کے دل میں آگ لگی۔ وہ جارحانہ انداز میں اسکی طرف بڑھی اور اسکا گریبان پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔

''بکواس بند کرو اپنی۔ اب اگر اپنی گندی زبان سے میری بہن کا نام لیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ اکیلی ہوں تو کمزور مت سمجھو مجھے۔ تم جانتے نہیں میری پہنچ کہاں تک ہے۔''

بازل نے اپنی آنکھیں اسکی سیاہ آنکھوں میں ڈبائیں اور غصے کو پس پشت ڈال کر بولا۔

''جانتا ہوں تمہاری پہنچ بہت اونچی ہے۔ یہ تو وہاں تک چلی جاتی ہے جہاں عام انسان کی رسائی تک نہیں۔ تم تو پتھر میں سوراخ کر دواسکا۔'' اشارہ اپنے دل کی طرف تھا۔ ''اب دیکھو خود تم میرے اتنے نزدیک ہو، ہاتھ ہٹا لو ورنہ میں نے ہٹائے تو بولو گی چھونے کے بہانے ڈھونڈ رہا ہوں۔''

طلسہ نے ایک جھٹکے سے اسکا کالر چھوڑا تھا۔ بازل اسے درست کرتا اسکے مقابل آ کر کھڑا ہوا۔

''دیکھو۔ نہ میں تمہیں جانتی ہوں اور نا ہی میری تمہارے ساتھ کوئی دشمنی ہے۔ پلیز مجھے اور میری بہن کو جانے دو۔'' اب کی بار وہ نرم پڑتے ہوئے منتوں پر اتر آئی تھی۔

''ایکچو لی، اگر آپ میری بات مان لیں تو میں آپکی بہن کو جانے دوں گا ورنہ......'' ورنہ کہہ کر اس نے کاندھے اچکائے تھے۔ طلسہ کے اندر شعلے بھڑکنے لگے۔ اتنی بے بس تو وہ آج سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

''تم ایک نہایت خبیث اور ڈھیٹ انسان ہو۔ نفرت ہو رہی ہے مجھے تم سے۔'' اسکی طرف نفرت سے دیکھتے ہوئے زہرخند لہجے میں بولی تھی۔ بازل نے بڑے آرام سے اسکی تلخی کو نظرانداز کیا اور اطمینان سے بولا۔

''اب جیسا بھی ہوں تمہارا ہوں، کیا کر سکتے ہیں اور ہاں......'' وہ جاتے جاتے پلٹا۔

''اچھے سے تیار ہونا۔ ہمم......Don't wast your precious time baby'' یہ کہتے ہوئے وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ اسکے لفظوں نے طلسہ کا غصے و بے بسی سے برا حال کر دیا تھا۔ مٹھیاں بھینچ کر وہ آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ نیچے کارپٹ پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

✡......✡......✡

مطلع صاف ہو چکا تھا۔ کئی دنوں سے جاری بارش اب مکمل طور پر تھم چکی تھی۔ بارش کے بعد موسم خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔ ہر چیز نکھری نکھری سی تھی لیکن جب انسان کے اندر ہی اداسی چھائی ہو تو کوئی بھی خوشگوار چیز بھلی نہیں لگتی۔ کہیں بھی دل نہیں کھنچتا، کوئی لمحہ متاثر نہیں کرتا۔

یہی حال بریا کا تھا۔ وہ بالکنی میں بیٹھی خوشگوار موسم میں اداسی گھول رہی تھی۔ اداسی کی دبیز چادر میں دبکی وہ جانے آسمان میں کیا ڈھونڈ رہی تھی۔ اسکی نم پلکیں جانے کس کی کھوج میں تھیں۔ آنکھوں کے کینوس جانے کن

رنگوں کے منتظر تھے۔اس سے پہلے کہ اشک بہتے کوئی اسکے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا اور شفقت سے اسکے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔اس نے اپنی ویران نظریں اٹھائیں۔ پاپا اسکے برابر ہی بیٹھے تھے۔ انکا دل کٹ سا گیا مگر مصنوعی بشاشت سے پوچھا۔

''کیا ہورہا ہے؟''

''کچھ نہیں پاپا۔''مختصر جواب آیا تھا۔

بریا کے شکست خوردہ درد سے لبریز لفظوں پر انکا دل ڈوب کر ابھرا لیکن سنبھل کر بولے۔

''خان کا فون آیا تھا۔تمہارے ساتھ لنچ کرنے کا کہہ رہا تھا لیکن تم سو رہی تھی تو میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا لیکن شاید تھوڑی دیر تک آجائے۔ چلی جانا موڈ اچھا ہو جائے گا۔ہمم۔''وہ اسکے اڑتے بال کان کے پیچھے کرتے ہوئے بولے تھے۔وہ ہولے سے مسکائی پھر عدم دلچسپی سے کہنے لگی۔

''آپ خان کو منع کردیجئے گا پاپا۔میرا موڈ نہیں ہے۔''

''کیا مطلب موڈ نہیں ہے۔''انہیں اب ہلکا سا غصہ آیا۔

''دیکھو بیٹا! ہر وقت کی مایوسی اللہ کو سخت نا پسند ہے۔انسان جتنا مایوسی کو اپنے اوپر حاوی کرتا ہے اتنی ہی آزمائش اسکے حصے میں لکھ دی جاتی ہے۔زندگی اللہ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے عظیم ترین نعمت ہے جو ایک بار ہی ملتی ہے۔تو کیوں ہم اس ایک بار ملنے والی نعمت کو گنوائیں، کیوں خود کو گنہگار بنائیں، کیوں اللہ کی نظروں میں گریں۔''

وہ گھٹے گھٹے آنسوؤں میں انکی نصیحتیں سن رہی تھی۔

''اللہ چاہتا ہے ہم صبر و شکر سے کام لیں۔ جو جتنا حصے میں لکھ دیا گیا ہے اس میں مطمئن رہیں۔اسکی رضا پر راضی ہو جائیں نہ کہ ہر وقت شکوہ و شکایت کرتے رہیں۔ وہ تمہارے معاملے میں وہی فیصلہ کرے گا جو تمہارے لئے بہتر ہو گا بیٹا۔''بہت دھیمے اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں وہ اسے سمجھا رہے تھے جس پر اچانک وہ بولی۔

''پر پاپا! میں تو اس فیصلے سے نا خوش ہوں نا۔توڑ کر رکھ دیا ہے اس فیصلے نے مجھے۔بکھر کر رہ گئی ہوں میں۔وہ جب دیکھ رہا ہے کہ کتنی اذیت میں ہوں میں تو میرے حق میں فیصلہ کیوں نہیں کر رہا۔ مجھے ایسا لگ رہا

ہے میں ہمیشہ کیلئے اسے کھو رہی ہوں۔'' وہ مسلسل آنسوؤں بہاتے ہوئے کہہ رہی تھی جب انہوں نے ٹوکا۔

''بری بات بیٹا! ایسے نہیں کہتے، وہ تمہاری تمام اذیتوں اور آنسوؤں سے واقف ہے۔ ہوسکتا ہے وہ اسکا تمہیں ایسا اجر دے جو تمہارے گمان میں بھی نہ ہو لیکن بیٹا صبر شرط ہے۔ سمجھی میری پیاری بیٹی۔'' مسکرا کر پوچھنے پر بریا نے اثبات میں سر ہلا دیا اور آنسو صاف کرنے لگی۔ انہوں نے اسکی پیشانی پر بوسہ دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

''تو پھر خان کے ساتھ جاؤ گی؟''

''جی پاپا۔''

اسکا جواب سن کر وہ مطمئن ہو کر پلٹ گئے۔ بریا نے تھکن زدہ انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

✡......✡......✡

آف وائٹ ٹرڈیشنل پشواز پر انتہائی نازک اور قیمتی ڈل گولڈن کام تھا۔ ڈل گولڈن سٹونز سے مزین بہت بھاری پشواز کے ساتھ ڈیپ ریڈ کلر کا گولڈن بارڈر سے سجا دوپٹہ بہت خوبصورتی کے ساتھ اسکے سر پہ پن اپ تھا۔ دوپٹے میں کہیں کہیں ٹمٹماتے سنہری تارے آسمان پر چمکتے ستاروں کی مانند لگ رہے تھے۔ لائٹ میک اپ کے ساتھ بھاری جیولری اور ڈیپ ریڈ کلر کی لپ اسٹک اسکے حسن کو چار چاند لگا رہی تھی۔ وہ پہلے سے بڑھ کر حسین لگ رہی تھی اتنی کہ اس پر نظر نہ ٹھہرتی تھی۔ آنکھوں اور چہرے پر پھیلے سوز نے اس میں عجیب سی جاذبیت پیدا کر دی تھی۔ تیار ہونے کے بعد وہ روم میں ہی بیٹھی رہ گئی تھی اس نے بازل تہمان کو طلب کیا تھا۔ کچھ باتیں تھیں جو کلیئر کرنی تھیں۔ کچھ عہد تھے جو کروانے تھے پھر ہی نکاح ہونا تھا۔

بیڈ پر وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی اسکے انتظار میں تھی جو طویل نہیں تھا۔ بیوٹیشن کے جاتے ہی وہ تھوڑی دیر میں اسکے کمرے میں آیا تھا۔ طلسہ نے دروازے کی جانب دیکھا۔ بلیک شیروانی پر جیل سے بال بنائے آنکھوں پر بغیر فریم کی نظر کے گلاسز لگائے وہ ہپناٹائز سا اسے دیکھ رہا تھا۔ طلسہ کھڑی ہوئی اور قدم قدم چلتی اسکے مقابل آ کر کھڑی ہوگئی۔ بازل کو اپنا دل بہکتا محسوس ہوا۔ ان شوریدہ جذبوں سے وہ خود ہی ڈر گیا۔ فوراً سے خود کو کنٹرول کیا۔

”جب نکاح سادگی سے ہونا تھا تو یہ سب ڈرامہ کیوں؟ کیوں مجھے تکلیف دینے پر تلے ہو؟“ طلسہ نے لب کھولے۔

نم آواز پر بازل نے گہرا سانس بھرا۔

”تمہیں لگتا ہے یہ سب تمہیں تکلیف دینے کیلئے کیا گیا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں تمہیں تکلیف دینے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔“

طلسہ تضحیک آمیز انداز میں مسکرائی۔

”اور یہ سب ڈرامہ نہیں ہے تمہیں میرے لئے سجایا گیا ہے۔ بھلے ہی نکاح سادگی سے ہو رہا ہے، ہو تو رہا ہے تم میری بیوی بننے جا رہی ہو، سو یہ سب میرا حق ہے۔ لیکن اگر تم چاہ رہی ہو کہ یہ سب سادگی سے نہ ہو تو صرف 25 منٹ انتظار کر لو تمہاری ہر خواہش کا احترام کیا جائے گا۔“

سینے پر ہاتھ باندھے وہ اسے بے بسی کی انتہاؤں پر پہنچا رہا تھا۔

”تم مرد کتنے خود پسند ہوتے ہو نا، تم لوگوں کو صرف اپنی لگی ہوتی ہے۔ چاہے سامنے والا جائے بھاڑ میں، بازل تہمان! تم آج میری نظروں سے بری طرح گر رہے ہو۔ میں تم سے کتنی نفرت کرنے لگی ہوں تم اس بات کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔“

”تمہاری پہلے والی بات سے میں بالکل اتفاق نہیں کرتا کیونکہ میرا اس کیٹیگری سے کوئی تعلق نہیں۔ رہی دوسری بات تو اسکا اندازہ مجھے اچھے سے ہے۔ اب چلیں خاصی دیر ہو گئی ہے۔“ اس نے بات سمیٹتے ہوئے کہا تھا۔

”میں چل تو پڑوں تمہارے ساتھ لیکن کیا گارنٹی ہے کہ نکاح کے بعد تم میری بہن کو بحفاظت گھر جانے دو گے جبکہ اب تک میں نے اسے دیکھا بھی نہیں۔“ اس نے بھی سینے پر ہاتھ باندھ کر پوچھا تھا۔

”میں تمہاری اس سے بات کروا دوں گا۔“

”اس بات کی بھی کیا گارنٹی ہے، میں کیسے تمہارا یقین کروں؟“ اسکے خدشات تھے کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ زرین کے معاملے میں وہ ایسے ہی کانشس ہو جایا کرتی تھی۔

''طلسہ! مجھے صرف تم سے ہی مطلب تھا جو پورا ہوا۔ مزید کی کوئی گنجائش نہیں۔ ٹرسٹ می۔''

اسکی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔

''تو ٹھیک ہے بازل تہمان! آج سے طلسہ امام کے نام کے ساتھ تمہارا نام جڑتا ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا صرف نام۔''

بازل نے چلنے کیلیئے ہاتھ آگے بڑھایا تھا جسے اگنور کر کے وہ اسکے پاس سے نکل گئی۔

❁......❁......❁

جیت ایک ایسا نشہ ہے جو دل و دماغ پر حاوی ہو کر انسان کے تمام حواس سلب کر لیتا ہے۔ خوشی و شادمانی پورے وجود میں ڈیرہ جما کر اسے ہر دوسرے احساس سے عاری کر دیتی ہے۔ پھر نہ ہمیں مات کھائے ہوؤں کے آنسو دکھتے ہیں اور نہ ہی انکی تکلیف۔ یاد رہتی ہے تو فقط اپنی کامرانی۔

بازل تہمان بھی اپنی جیت کے نشے میں چور خراماں سیڑھیاں چڑھ رہا تھا جب اسکے سیل کی رنگ ٹیون بجنے لگی۔ طلسہ جو کمرے سے باہر نکل رہی تھی اسے دیکھتے ہوئے کمرے کے دروازے کی اوٹ میں ہو گئی۔ راستہ صاف دیکھ کر اس نے نکلنے کا سوچا تھا لیکن یہ اتنا آسان بھی نہیں تھا جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔

''السلام علیکم ہابی کیسی ہیں آپ؟'' خوشی سے لبریز آواز کے ساتھ اس نے پوچھا تھا اس بات کی پرواہ کے بغیر کہ اس وقت انکے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔

''تو یعنی تم نے اپنی ضد پوری کی، میری ناراضگی، میرے آنسو، میری......'' بھراہٹ کے سبب وہ درمیان میں اٹک گئی تھیں۔ ''میری ریکوئسٹ بھی تمہارے لیئے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی بازل تہمان! تم نے مجھے بہت دکھ دیا ہے۔'' وہ خاموشی سے ہابی کے گیلے لفظ سنتا گیا۔

''تم نے صوفی کا بھی دھیان نہیں کیا۔ اس پر کیا گزرے گی۔ کیا وہ طلسہ کو ایکسپٹ کر پائے گی۔ اسکا کیا ری ایکشن ہوگا؟ سوچا ہے تم نے؟''

بازل نے سنجیدگی سے اپنی بھنوئیں کھجائی تھی۔ طلسہ نے دروازے کی جھری سے اسکے چہرے کو دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”وہ میری بیٹی ہے ہابی، اپنے بابا کی بات کو ضرور سمجھے گی۔ ویسے بھی وہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔ مجھے امید ہے طلسہ کو جلد ایکسپٹ کر لے گی۔“

حیران کن پھٹی آنکھوں کے ساتھ منہ پر ہاتھ رکھے وہ اس انکشاف کو ہضم کرنے کی سعی میں تھی۔

ہابی نے آنکھیں میچیں کر کھولیں، پھر پوچھا۔

”تم نے اسے منایا کیسے؟ مجھے صرف سچ سننا ہے۔“

”پہلے آپ رونا بند کریں گی پلیز۔“ اسکی سخت آواز ابھری تھی۔

”یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔“ جب اسے پرواہ نہیں تھی تو وہ کیوں اسکی پرواہ کرتیں۔

بازل نے سرد آہ بھری پھر بول کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری۔ اور طلسہ کے اندر شعلے بھڑکا گیا۔ دراصل اپنی شامت کو خود آواز دی تھی۔

”میں نے اس سے جھوٹ بولا کہ اسکی بہن میرے قبضے میں ہے۔ نکاح کرنے کے بعد ہی میں اسے جانے دوں گا جبکہ زرین کو تو میں وہیں ڈرائیور کے ساتھ ہی چھوڑ آیا تھا اور وہ صحیح سلامت گھر پہنچ گئی تھی۔ طلسہ کا اس دھوکے پر رونے کا جی چاہا۔ اپنے آپ کو طرم خاں سمجھنے والی کتنی بڑی مات کھا بیٹھی تھی۔ اس نے جھٹکے سے دروازہ بند کیا بازل فوراً متوجہ ہوا تھا۔

”ہابی! میں آپ کو بعد میں کال کرتا ہوں۔“ کہتے ساتھ ہی اس نے کال کاٹ کر سیل پینٹ کی جیب میں اڑیسا۔ طلسہ نے دروازہ لاک کر کے اندر والی کنڈی بھی لگا لی تھی۔ مشتعل سی وہ ڈریسنگ کی طرف بڑھی اور اس پر موجود تمام اشیاء کو زمین بوس کر دیا۔ پھر اس نے بیڈ شیٹ کو فل طاقت سے کھینچ کر نیچے گرایا تھا۔ شدت سے آنسو اسکی غلافی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ وہ رونے کے ساتھ چیخ بھی رہی تھی۔

”طلسہ! دروازہ کھولو۔ یہ پاگل پن نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔“ بازل کو اندر سے توڑ پھوڑ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ناب کو پکڑ کر اس نے پوری قوت سے گھمایا تھا۔ پریشانی و غصے سے اسکے دماغ کی نسیں پھٹنے کے قریب تھیں۔

”طلسہ! تمہیں سمجھ نہیں آ رہی، کھولو دروازہ۔ نہیں تو میں توڑ دوں گا۔“

طلسہ پردوں کی جانب بڑھی اور ان پر لٹکتی موتیوں کی لڑیاں دونوں ہاتھوں سے کھینچ ڈالیں۔ایسا کرنے سے اسکے دونوں ہاتھ لہولہان ہو گئے تھے۔بازل کی فضول سی دھمکی سے اسکا پارا مزید چڑھا۔

FOR God please sake leave me alone. please

ہیجانی انداز میں وہ حلق کے بل چلائی تھی۔ڈور کے ساتھ زور آزمائی کرتے بازل کے ہاتھ تھمے تھے۔دانت پیستا وہ وہاں سے ہٹا اور تیزی سے سیڑھیاں پھلانگ کر سٹڈی میں آیا تھا۔دروازے کو زور سے بند کر کے اس نے شیروانی کے بٹن کھول کر اسے زمین پر پٹخا۔بلیک ٹی شرٹ میں اسکا کسرتی جسم نمایاں تھا۔جینز کی پاکٹ سے اس نے سیل فون نکالا۔اسکی انگلیاں برق رفتاری سے میسج ٹائپ کر رہی تھیں۔

''مبارک ہو تمہارے آنسو،تمہاری بددعائیں رنگ لے آئیں۔'' سینڈ کرتے ہی اس نے سیل فون دور اچھالا تھا۔دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھے۔وہ سر جھکائے خود پر کنٹرول کرنے لگا۔

✿......✿......✿

سنو تم نے کبھی ساحل پر بکھری ریت دیکھی ہے؟

سمندر ساتھ بہتا ہے

مگر اسکے مقدر میں ہمیشہ پیاس رہتی ہے۔

سنو تم نے کبھی صحرا میں جلتے پیڑ دیکھے ہیں؟

سبھی کو چھاؤں دیتے ہیں

مگر ان کو صلے میں ہمیشہ دھوپ ملتی ہے۔

سنو تم نے کبھی شاخوں سے بچھڑتے پھول دیکھے ہیں؟

وہ خوشبو بانٹ دیتے ہیں

بکھر جانے تلک

لیکن ہوا کا ساتھ دیتے ہیں۔

سنو تم نے کبھی میلے میں بجتے ڈھول دیکھے ہیں؟

عجب ہے المیہ ان کا
بہت ہی شور کرتے ہیں
مگر اندر سے خالی ہیں۔
یہی میرا فسانہ ہے
اتنی سی پہیلی ہے
یہی میری کہانی ہے۔

مایوسی کی مالا سے ایک ایک کر کے وہ موتی نکال تو رہی تھی مگر دکھ کی زندگی ابھی بھی اسکی گردن سے چمٹی ہوئی تھی۔ابھی بھی اسکی پلکیں بھیگنے سے رکتی نہیں تھیں۔وہ جتنا ماضی سے دور بھاگتی تھی اتنا ہی ماضی کسی آسیب کی طرح اس سے چمٹا رہتا تھا۔

اپنی ہی سوچوں میں گم وہ اپنے ماضی میں کھوئی ہوئی تھی جب اسکا فون بجنے لگا۔اس نے چونک کر فون اٹھایا۔سکرین پر خان کا نام چمک رہا تھا۔وہ جب بھی ماضی میں گم ہوتی اسی طرح اسکی کال اسے جھنجوڑ کر نکال لیتی تھی۔جیسے اسکے پاس کوئی آلہ ہو جس سے وہ اسکے بارے میں جان لیتا ہو۔

اکثر خان کا یہ عمل اسے اکتاہٹ میں مبتلا کر دیتا تھا جس کی وجہ سے وہ سیل فون سائلنٹ پر لگا دیتی تھی تا کہ اسکی کالز اسے ڈسٹرب نہ کریں۔معمول کے برعکس آج اس نے اسکی کال اٹینڈ کر لی تھی۔

''ہم بولو۔'' بریا نے استفسار کیا۔

''بری!ایک کام کرو، اگر اپنے کمرے میں ہو تو ونڈو کے پاس آؤ۔'' بریا کے لہجے کو نظر انداز کرتا وہ جلدی سے بولا تھا۔

''مگر کیوں؟'' بریا حیران ہوئی تھی اس اچانک فرمائش پر۔بیڈ سے ونڈو تک آتے ہوئے پوچھا۔

''اوہو تم آؤ تو۔''

''آ گئی ہوں۔'' بریا نے بتایا تو خان نے چھوٹتے ہی کہا۔

''اب اوپر دیکھو۔''

''کیا؟'' بریا کو اچنبھا ہوا۔

''آسمان صاف ہے یا ابر آلود؟''

خان کے استفسار پر وہ چڑ ہی تو گئی تھی۔

''صاف ہے اور یہ تم مجھ سے موسم کی رپورٹ کیوں لے رہے ہو؟'' بریا نے حیرت میں گھر کر پوچھا تھا۔

''اسلئے کہ آج تم نے فرسٹ رنگ پر میری کال اٹینڈ کر لی ہے۔'' وہ جیسے اس سے بھی زیادہ حیران تھا۔ بریا کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

''فضول حرکتیں مت کیا کرو خان! اگر یہ ہی بات کرنی تھی تو میں فون بند کر رہی ہوں۔'' بریا نے زچ ہو کر کہا۔

''اے رکو، رکو۔ کال اسلئے نہیں کی تھی۔'' خان اسکی دھمکی پر فورا بولا تھا۔

''تو پھر؟''

''تو پھر یہ کہ جلدی سے ڈریس اپ ہو کر نیچے آؤ۔ جلدی۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' خان نے عجلت میں کہا۔ بریا نے نیچے جھانکا۔ کار کے بونٹ سے ٹیک لگائے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ بریا کے جھانکنے پر ہاتھ ہلا دیا۔

''پر کیوں؟'' اس نے ایک اور سوال کیا۔

''کتنے سوال کرتی ہو تم بری! کبھی ایسے بھی میری بات مان لیا کرو۔'' وہ کوفت زدہ ہی تو ہو گیا تھا۔ بریا کھسیا سی گئی۔

''اب بتا تو دو کیوں؟''

''کتنی بھلکڑ ہو تم۔ میں تم سے یہی امید رکھتا تھا اور اب میں ناراض ہونے لگا ہوں۔'' خان نے انتہائی خفگی سے کہا تھا۔

''بھلکڑ۔ کیا مطلب کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ اب بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔

''آج کیا ڈیٹ ہے؟'' خان نے پوچھا تو بریا فوراً بولی۔

''یکم مارچ۔''

''اور یکم مارچ کو کیا ہوتا ہے؟'' خان کا اگلا سوال آیا۔

''کیا؟''

بریا کے پوچھنے پر خان تقریباً چیخ ہی تو پڑا تھا۔

''یکم مارچ کو میری برتھ ڈے ہوتی ہے بری۔''

''اوہ ہاں، ایم سوری میں بھول گئی تھی۔ ہپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' بریا کو افسوس ہوا بھولنے پر۔

''روکھا پھیکا وش نہیں چاہیے مجھے اور سوری وری کو چھوڑو، جلدی سے تیار ہو کر آؤ۔ میرے فرینڈز کی طرف سے پارٹی ہے۔ ڈنر بھی وہیں کریں گے کیونکہ جب تمہیں میری برتھ ڈے یاد ہی نہیں تو گفٹ کیسا، مادام اپنی آمد کی صورت ہی تحفہ دے دیجئے۔'' بریا اسکی بات پر مسکرائی تھی۔

''اوکے آتی ہوں۔''

پانچ منٹ میں وہ اسکے سامنے تھی۔ خان نے ادب سے اسکے لئے فرنٹ ڈور کھولا۔ بریا کے بیٹھتے ہی وہ گھوم کر آیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''چلیں؟''

''ہاں چلو۔'' بریا کے کہتے ہی وہ گاڑی بھگا لے گیا۔

۞......۞......۞

بازل کی ہدایت پر کسی نے طلسہ کو ڈسٹرب نہیں کیا تھا۔ وہ خود بھی بزنس ٹور کی لئے گلاسکو چلا گیا تھا اس لئے وہ تین دن کمرہ بند رہی تھی۔ خوب اپنی قسمت پر رو دھو کر اس نے اپنا برا حال کر لیا تھا۔ نہ وہ کچھ کھا رہی تھی اور نہ ہی کچھ پی رہی تھی۔ سینڈی کی بھرپور منتوں کے بعد اس نے دروازہ تو کھول لیا تھا مگر کھانے کو ہاتھ نہیں لگا رہی تھی۔ وہ ضد کی پکی تھی۔ ضد میں بہت کچھ غلط کر جاتی تھی۔ اب بھی اپنی جان کو ہی نقصان پہنچا رہی تھی۔

ڈور ناک کر کے سینڈی کمرے میں ٹرالی گھسیٹتی ہوئی لائی تھی۔

''گڈ مارننگ میم۔ پلیز ناشتہ کر لیں۔'' وش کرنے کے بعد اس نے تھکے ہوئے انداز سے ڈنر کی ٹرالی کو دیکھا

تھا جو ویسی کی ویسی پڑی تھی۔

''مجھے نہیں کھانا۔ تم واپس لے جاؤ۔'' اس نے دو ٹوک لہجے میں کہا تھا۔

''پر میم، سر کی سخت ہدایت ہے کہ آپکو وقت پر کھانا دیا جائے۔ پلیز ضدمت کریں۔'' اسکے انکار پر وہ سخت پریشان ہو گئی تھی۔ طلسہ نے سخت نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ ڈر گئی۔

''اپنے سر کو کہو کہ وہ خود وقت پر کھائیں۔ دوسروں کیلئے پریشان ہونے کی انہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ تنفر سے پھنکاری تو سینڈی اسکے غصے کی نوعیت بھانپتے ہوئے کمرے سے چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آئی تو کارڈلیس اسکے ہاتھ میں تھا۔

''میم! سر آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔'' وہ کارڈلیس طلسہ کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

''میں جانتی ہوں تمہارے سر نے کیا بات کرنی ہے۔ ان سے کہو طلسہ کوئی کٹھ پتلی نہیں ہے جو وہ اسے اپنے اشارے پر نچائیں گے۔ جو میرے دل میں آئے گا میں وہی کروں گی۔'' وہ بضد تھی سینڈی بے بسی سے باہر چلی گئی۔

وہ روز اپنی نگرانی میں اسکے کمرے میں کھانا لگوا رہی تھی۔ سرونٹ ناشتہ رکھ جاتے تو وہ لنچ تک یونہی پڑا رہتا۔ لنچ رکھ کر جاتے تو وہ ڈنر تک اور ڈنر صبح تک ویسے ہی بنا چھوئے رکھا رہتا۔ بازل کو گئے چھ دن ہو گئے تھے۔ سینڈی مسلسل اسے طلسہ کے بارے میں انفارم کرتی رہی تھی۔

طلسہ کی بچگانہ حرکتوں نے اسے پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ گلاسکو میں اسکا کام ایک ہفتے کا تھا مگر جیسے تیسے کر کے وہ چھ دن میں کام وائنڈ اپ کر کے آ گیا تھا۔

وہ صبح ساڑھے نو بجے گھر پہنچا تھا اور سیدھا طلسہ کے کمرے میں آیا تھا۔ اس وقت وہ کمبل میں منہ دیئے گہری نیند سو رہی تھی۔ اس نے طلسہ کو اٹھانے کی بجائے وہیں صوفے پر بیٹھ کر اسکے اٹھنے کا انتظار کرنے پر اکتفا کیا۔

بارہ بج چکے تھے مگر وہ ہنوز اسی طرح سوئی رہی۔ اسکے اس طرح سونے پر وہ تھوڑا تشویش میں مبتلا ہوا۔ ڈیڑھ بجے یہ تشویش پریشانی میں بدل گئی تھی۔ وہ اسکے اٹھنے کا مزید انتظار کرنے کے بجائے اسے آوازیں دینے لگا۔ جب وہ آواز پر بھی نہیں اٹھی تو تو وہ اسکے قریب آ کر اسے ہلانے لگا۔

''طلسہ ! اٹھ جاؤ بہت دیر ہو چکی ہے۔'' بازل نے کمبل اسکے منہ سے ہٹایا اور وہیں ٹھٹک گیا۔ وہ بہت زرد کمزور و بیمار لگ رہی تھی۔

''طلسہ !'' بازل نے پریشانی میں پھر اسے آواز دی۔ اسکے ماتھے پر ہاتھ رکھنے پر اسے ایسا لگا جیسے اس نے جلتے توے پر ہاتھ رکھ لیا ہو۔ اس نے جلدی سے سیل فون نکال کر اپنے فیملی ڈاکٹر کو کال ملائی تھی۔ پندرہ منٹ بعد ڈاکٹر وہاں موجود طلسہ کا چیک اپ کر کے اسے انجیکشن لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا

''خوراک کی کمی اور شدید سٹریس ہے انہیں۔ بخار ہے لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ انکی ڈائیٹ پر توجہ دیں۔ اور جتنا ہو سکے انہیں خوش رکھنے کی کوشش کریں۔ تھوڑی دیر تک انہیں ہوش آ جائے گا۔ آپ یہ میڈیسن باقاعدگی سے انہیں دیں۔''

ڈاکٹر دوائیوں والا نسخہ اور تمام ہدایت دے کر چلا گیا تھا۔

شام کو طلسہ کو ہوش آیا تھا۔ نقاہت کے سبب اسکا وجود بے جان آنکھیں بھاری اور سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر وہ درد کو برداشت کر رہی تھی۔ اسے ہوش میں آتا دیکھ بازل کرسی کھینچ کر طلسہ کے قریب عین اسکے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ بازل پر نظر پڑتے ہی اسکی آنکھوں سے آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہونے لگے تھے۔ بازل نے ہاتھ بڑھا کر اسکے آنسو اپنے پوروں پر چنے تھے۔ طلسہ نے اسکا ہاتھ جھٹکنا چاہا مگر بازل کی مضبوط گرفت پر وہ ہار مان گئی تھی۔ ایک ہاتھ سے اسکے دونوں ہاتھ پکڑ کر وہ اسکے آنکھیں صاف کرنے لگا تھا۔ گرم سیال اور تیزی سے بہنے لگا۔

''ام ہم، ششش۔ بس بہت ہو گیا طلسہ۔ پلیز ڈونٹ کرائے۔'' وہ اسکے آنسو اچھے سے صاف کر کے اسکے ماتھے کو دبانے لگا تھا۔ اسکے دہکتے ماتھے پر بازل کا ٹھنڈا ہاتھ عجیب سی طمانیت پہنچا رہا تھا۔ دس منٹ تک دبانے کے بعد اس نے انٹر کام پر سینڈی کو سوپ لانے کا کہا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ سوپ لے آئی تھی۔ اسکے ناک کرنے پر بازل طلسہ سے دور ہو گیا تھا۔ کرسی تھوڑی پیچھے کر کے سینے پر ہاتھ باندھ کر یس بولا تھا۔ سینڈی ٹرے لے کر اسکے قریب آئی اور بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر چلی گئی۔ طلسہ کہنی کے بل اٹھ کر بیٹھی۔

''آرام سے۔'' بازل نے طلسہ کو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"May i?" اس نے باؤل اٹھا کر اجازت طلب کی تھی۔

طلسہ نے بنا کچھ کہے اسکے ہاتھ سے سوپ کا باؤل لیا اور پینے لگی کہ اب بھوک ہڑتال کی اس میں سکت نہیں تھی۔ضد کو مزید طول دینا بے وقوفی تھی۔ اگر اسے اس گھر سے نکلنا تھا تو اسکے لئے طاقت چاہئے تھی جو کہ فی الحال اس میں مفقود تھی۔

سوپ ختم کرنے پر بازل نے باؤل اسکے ہاتھ سے لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور گلاس میں پانی ڈال کر میڈیسن اسکی جانب بڑھائی۔ وہ تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ گہرے سیاہ ہلکے،خشک پپڑی زدہ ہونٹ اور مرجھائی ہوئی زرد رنگت، یہ تو وہ طلسہ نہیں تھی جسے وہ کچھ دن پہلے چھوڑ کر گیا تھا۔

"اپنا دھیان رکھا کرو طلسہ۔"

اس نے چپ چاپ میڈیسن بازل کے ہاتھ سے لی اور کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

"طلسہ !اس طرح نفرت میں خود کو ختم مت کرو۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا پھر کہہ رہا ہوں اس طرح صرف تمہیں نقصان پہنچے گا۔" وہ اسکو لیٹتے دیکھ کر بولا تھا۔

"جیسا بھی ہوں، اچھا یا برا اب تمہارا شوہر ہوں۔ پرواہ ہے مجھے تمہاری۔ چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ خوش رہو۔ میں نے جو بھی کیا اسکی سزا خود کو تو مت دو۔" بازل بولے جا رہا تھا اور وہ کروٹ بدلے اپنی بے بسی پر آنسو بہائے جا رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے پر......" وہ ایک لمحے کو رک کر دوبارہ بولا۔"پر اب میں تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کروں گا۔ٹرسٹ می۔ پلیز اس طرح خود کو اذیت پہنچا کر مشکل میں مت ڈالو۔آئی ہوپ، تم میری بات سمجھ رہی ہوگی۔ چلتا ہوں ٹیک کیئر۔" کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک نظر سر تک کمبل تانے طلسہ پر ڈال کر لائٹ آف کرتا چلا گیا۔طلسہ نے آنسو صاف کئے اور نفرت سے دانت پیستے ہوئے کمبل منہ پر تان لیا۔

❖......❖......❖

"رابیل کب آ رہی ہے؟" بریا کے سوال پر خان کا بڑا برا منہ بنا تھا۔

''کل۔'' یک لفظی جواب دیا۔

''برتھ ڈے گفٹ دیا اس نے تمہیں؟'' بریا نے پھر پوچھا۔

''ہاں دیا۔'' اس نے بے زاریت سے جواب دیا۔ بریا کو اسکی بے زاریت ایک آنکھ نہ بھائی۔

''مت ناراض ہوا کرو اس سے۔ بہت محبت کرتی ہے وہ تم سے۔'' اس نے خان کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''پرواہ ہے اسے میری۔'' خان نے پرواہ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہے۔'' بریا فوراً بولی۔

خان نے اسے دیکھا اور بولا۔

''اگر اتنی ہی پرواہ ہوتی میری تو وہ میری برتھ ڈے والے دن آتی۔ یوں منہ اٹھا کر چار دن بعد نہ آ رہی ہوتی۔''

میڈ نے کافی لا کر دونوں کے درمیان میں رکھی تھی۔ وہ دونوں اس وقت خان کے گھر میں تھے۔ کافی دیکھ کر بریا کے چہرے کے تاثرات بگڑے تھے۔ کسی کی یاد بڑی زور سے ان دونوں کے درمیان آئی تھی۔ جسے اس نے سر جھٹک کر پرے کیا۔ خان سمجھ گیا تھا فوراً میڈ کو بولا۔

''بری کے لئے جوس لے آئیں۔ اسے لے جائیں۔''

میڈ ایک کافی کا مگ اٹھا لے گئی۔

''ڈونٹ ٹیل می خان کہ اب تم بھی بچوں جیسی حرکتیں کرو گے۔ بی میچور اگر وہ نہیں آ سکی تو اسکے پیچھے بھی ایک سولڈ ریزن تھا۔ فائنل ایگزام چل رہے تھے اسکے۔ سب کچھ وائنڈ اپ کرنے میں ٹائم لگتا ہے۔''

بریا کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ خان اس طرح کی باتیں کر سکتا ہے تبھی اسکی آواز میں حیرت پنہاں تھی۔

''بری! تم یہاں اسکی وکالت کرنے آئی ہوں۔'' خان نے برا مناتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔ وکالت تو مجرم کی کی جاتی ہے جبکہ وہ تو بے قصور ہے۔ ہاں میں یہاں ایک سنکی کا دماغ ضرور ٹھیک کرنے آئی ہوں جس میں ضرورت سے زیادہ بھوسا بھر گیا ہے۔'' مسکراتی نظروں سے اس نے خان کی خشمگیں نظریں سہی تھیں۔

”تو تم مجھے یہاں ذلیل کرنے آئی ہو۔“

”نہیں، علیل کرنے۔ وہ بھی اپنی پیاری سی معصوم سی دوست رابیل کی محبت میں۔“

خان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”وہ تو میں پہلے سے ہی ہوں۔“ کرسی کی پشت پر نیم دراز ہوتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

”ڈرامے باز۔“ بریا بڑبڑائی۔

رابیل وجدان مرتضٰی کے فرسٹ کزن جبار اکبر کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اسکے علاوہ جبار اکبر کے دو بیٹے رامس جبار اور کبیر جبار تھے۔ کبیر سب سے بڑا تھا۔ اسکے بعد رامس اور پھر رابیل تھی۔ کبیر نے ایم بی اے کرنے کے بعد بڑے ہونے کا فرض بخوبی انجام دیتے ہوئے اپنے ڈیڈ کے بزنس کی باگ ڈور سنبھال لی تھی۔ باپ اور بڑے بھائی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تعلیم مکمل ہونے پر رامس نے بھی بزنس سنبھال لیا تھا۔

رابیل ان دونوں سے چھوٹی تھی اور پڑھ رہی تھی۔ اسکا فائنل ائیر اختتام کو پہنچا تھا۔ اسلیئے پیپرز دیتے ہی وہ تمام کام وائنڈ اپ کر کے فٹافٹ دبئی واپس آرہی تھی۔ رابیل اور خان کی پسند اور ایک دوسرے میں دلچسپی دیکھتے ہوئے بڑوں نے دو سال پہلے ان دونوں کی منگنی کر دی تھی۔ اور دونوں نے بخوشی یہ رشتہ قبول بھی کر لیا تھا۔

خان وجدان ایک باصلاحیت اور نیک انسان تھا۔ پر خلوص اور رشتوں کا احترام کرنے والا باکردار انسان تھا۔ جس کو دیکھتے ہوئے جبار اکبر نے اپنی بیٹی کو اسے سونپنے کا سوچا تھا۔ وجدان مرتضٰی کے توسط سے ہی جبار اور انکی فیملی بریا کی فیملی کو جانتی تھی۔ اور انکے آپس میں گہرے مراسم سے بھی واقف تھے۔ دو تین مہینوں سے ان لوگوں کا بریا کے ہاں آنا جانا تھا۔ رامس کبیر سے چھوٹا اور لاپرواہ تھا۔ اسلیئے اسکی موجودگی بریا کو نہیں کھلتی تھی جبکہ کبیر کے سبب وہ ان کمفرٹیبل ہو جاتی تھی کیونکہ وہ خود کو اسکی نظروں کے حصار میں محسوس کرتی تھی جو کہ اسکے لئے بہت چڑچڑاہٹ کا باعث تھا۔ کبیر کی موجودگی میں وہ کمرے میں بند ہو جایا کرتی تھی۔

وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ اگر بازل تہمان اسے یوں بیچ راہ میں نہ چھوڑتا تو کون اسکی طرف دیکھنے کی جرأت کرتا لیکن بازل تہمان اسکی زندگی میں نہیں تھا۔ اور یہ اسکی زندگی کی تلخ ترین حقیقت تھی۔

بہت دنوں بعد اس نے کمرہ بندی ختم کی تھی۔فریش ہو کر وہ گیلے بال کھلے چھوڑے باہر آئی تھی۔کمرے کے باہر چھوٹی سی گیلری تھی۔گرے ٹھنڈے ماربل پر پاؤں رکھے وہ سٹائلش ریلنگ کو تھامتی سیڑھیوں کی جانب بڑھی تھی۔سیدھی شیشے سے بھی صاف سیڑھیوں پر قدم جماتی وہ محتاط سی اتر رہی تھی۔سیڑھیوں کی بائیں جانب دیوار پر تین بلاکس میں رنگین گھوڑوں کی پینٹنگ لگی ہوئی تھی اور وقفے وقفے سے جدید لالٹینیں لگی ہوئی تھیں۔وہ نیچے آئی۔

بڑا سارا لاؤنج اسکا منتظر تھا۔فل کارپٹڈ فلور۔جدید صوفہ سیٹ۔فلاور واز،لیمپس دیواروں پر لگی پینٹنگز۔چھت پر جھلملاتا فانوس۔ڈیسٹ لیس ایسا لگتا تھا جیسے مٹی کا ذرہ بھی یہاں نہ پھٹکا ہو۔شیشے سے بھی صاف لاؤنج کو مزید چمکانے کے لئے ایک میڈ سینٹرل ٹیبل کو صاف کر رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ میڈ اسکی جانب بڑھتی سینڈی وہاں پہنچ گئی تھی۔

"میم آپکو کچھ چاہیے تھا کیا؟"

"کچن میں جانا ہے۔"

طلسہ کے کہنے پر وہ اسے لے کر لاؤنج سے بائیں جانب بنی راہداری کی سمت چل دی جسکے آخر میں کچن تھا۔کچن بھی باقی گھر کی طرح جدید اور منفرد طرز کا تھا۔جس میں ایک شیف کام میں لگا ہوا تھا۔اسے دیکھتے ہی ادب سے پیچھے ہوا۔

سینڈی کو دیکھ کر اسکو شک ہوا تھا۔لاؤنج میں کام کرتی میڈ کو دیکھ کر اسکے شک کو تھوڑی اور ہوا لگی تھی۔اب اس شیف کو دیکھ کر اسکا شک یقین میں بدلنے لگا تھا کہ وہ واقعی پاکستان میں نہیں ہے۔

سینڈی کو وہاں سے بھیج کر وہ شیف سے بولی تھی۔

"مجھے کھانا بنانا ہے۔"

شیف سائیڈ پر ہوا اور اسکو مطلوبہ چیزیں مہیا کرتا رہا۔

بازل جوگنگ سے واپس آیا تھا۔لاؤنج میں قدم رکھتے ہی زبردست خوشبوؤں نے اسکا استقبال کیا تھا۔ٹاول سے چہرہ اور گردن پونچھ کر انرجی ڈرنک پی رہا تھا جب سینڈی نے آکر اسے اطلاع دی کہ طلسہ کچن میں ہے اور ناشتہ بنا رہی ہے۔یہ بات اسکے لئے کسی خوشگوار شاک سے کم نہ تھی،سینڈی کو ٹاول پکڑاتا وہ ورطہ حیرت

میں گھرا کچن میں آیا تھا۔اسے دیکھتے ہی شیف کچن سے باہر چلا گیا۔وہ مکمل طور پر پوریاں تلنے میں مگن تھی اسلئے بازل کی آمد کو محسوس نہ کر پائی۔بازل اسکے قریب آیا اور پھر ٹھہرتے ہوئے بولا۔

''مجھے اچھا لگا تمہیں یہاں دیکھ کر پر......'' وہ ایک لمحے کو رکا کھولتے ہوئے آئل کو دیکھا اور پھر توقف کے بعد بولا۔

''یہ کام تھوڑا رسکی ہے اگر تم کچھ اور کرنا چاہو تو۔''

طلسہ نے اسکی بات درمیان میں کاٹی تھی۔

''مجھے کچن میں اور یہی کام کرنا ہے۔اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارا دیا پہنوں اور کھاؤں تو مجھے یہی کام کرنا ہے کیونکہ اتنا تو مجھے اندازہ ہو ہی چکا ہے کہ جب تک میں نہیں مرجاتی یا تم نہیں مرجاتے میری جان نہیں چھوٹنے والی۔''

طلسہ کی فضول گوئی کو اس نے دانت پیستے ہوئے برداشت کیا تھا۔اسے اسکے حال پر چھوڑ کر وہ کچن سے چلا گیا تھا۔فریش ہو کر جب وہ ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو گریٹا بریک فاسٹ لگا چکی تھی۔وہ آکر اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھ گیا۔طلسہ نے ایک نظر سینڈی اور گریٹا پر ڈالی پھر بازل سے تیسری کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔

''آپ لوگ جائیں۔'' بازل کی مخاطب وہ دونوں تھیں۔انکے جاتے ہی اس نے کھانا سٹارٹ کیا تھا۔

''اوہ۔تو یعنی تم ایک اچھی کک بھی ہو یعنی میرا انتخاب پرفیکٹ ہے۔'' ناشتہ ختم کرتے وہ پورے دل سے بولا تھا۔

طلسہ نے زہریلی نظروں سے اسے دیکھا۔اور لفظ چباتے ہوئے بولی۔

''مسٹر وٹ ایور،اپنی حد میں رہو۔تم جانتے نہیں ہو مجھ سے پنگا لے کر تم نے اپنی شامت کو دعوت دی ہے۔''

''وہ تو تمہیں دیکھ کر ہی مجھے پتا چل گیا تھا کہ میری شامت آگئی ہے۔'' بازل قدرے شوخ ہوا۔طلسہ دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھ کر کھڑی ہوئی۔

''مجھے آج سب کچھ سچ سننا ہے اپنے تمام سوالات کے جوابات چاہئیں مجھے۔کوئی پہیلیاں نہیں۔بتاؤ مجھے

کیوں لائے ہو یہاں؟ کہاں ہوں میں؟ کون سی جگہ ہے یہ؟ اور کیوں کیا مجھ سے نکاح؟'' اسکی آواز قدرے تیز تھی۔ بازل تہمان نے ڈائننگ ہال کے جالی دار گولڈن دروازے کو دیکھا پھر اسے دیکھ کر مخاطب ہوا۔

''بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ کر بات کرو۔''

طلسہ تلملاتے ہوئے بیٹھ گئی۔

''بولو اب۔ کیوں لائے ہو مجھے یہاں۔ کیا دشمنی ہے تمہاری ہمارے ساتھ؟''

بازل نے کافی کا سپ لیتے ہوئے مگ ٹیبل پر رکھا۔

''تمہارے ساتھ میری دشمنی یہ ہے کہ تم نے میرا دل چرایا ہے۔ اور چوری کرنے والوں کو میں اتنی جلدی معاف نہیں کیا کرتا۔ سوسزا کے طور پر تم یہاں ہو اسلیئے تم میری بیوی ہو۔''

طلسہ نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے اسکی بات ہضم کی تھی۔

''فرسٹ آف آل بیوی نہیں منکوحہ۔'' اس نے انگلی اٹھائی۔ ''سیکنڈ مجھے بکواس نہیں سننی میں سیریس ہوں تو جواب بھی سیریس ہی چاہتی ہوں۔''

''تم سے کس نے کہا کہ میں غیر سنجیدہ ہوں۔'' اس نے اپنی ریڈیش براؤن، سنجیدہ آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''دوسری بات تم میری بیوی ہو۔ تمہاری رخصتی ہو چکی ہے دماغ میں ڈالو یہ بات۔ ریلیکسیشن دی ہے اسلیئے کیونکہ میں ہمارے رشتے کو پیچیدہ نہیں کرنا چاہتا۔ اور تمہیں کچھ ٹائم دینا چاہتا ہوں۔ تاکہ تم اپنا مائنڈ سیٹ اپ کر سکو۔''

''واٹ ڈو یو مین؟'' وہ پھر سے کھڑی ہوئی تھی۔ ''تم کہنا چاہ رہے ہو کہ تم مجھے میری شادی والے دن اٹھا کر لے آئے۔ مجھ سے زبردستی نکاح کیا اور......''

بازل نے اسکی بات درمیان میں اچک لی۔

''غلط بیانی مت کرو طلسہ۔ ہمارا نکاح زبردستی نہیں ہوا تھا۔ تمہاری دلی رضامندی سے ہوا تھا۔ یہ بات میں نے تم سے اسی دن واضح طور پر کلیئر کر دی تھی کہ میں زبردستی کے نکاح کا قائل نہیں ہوں اور نہ ہی اسلام میں اسکی کوئی گنجائش ہے۔ ریمبر اٹ۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ جب تک تم دل سے راضی نہیں ہوتی یہ نکاح نہیں ہو گا تم

اپنا ٹائم لے سکتی ہو۔''

طلسہ نے لب کاٹے تھے۔

''یہ بھی مت بھولو مسٹر وہ ٹائم کتنے گھنٹوں پر مشتمل تھا اور سچوئیشن اس وقت کتنی سٹریس فل تھی۔ بہر حال مجھے اس فضول کی ڈسکشن میں نہیں پھنسنا۔ مجھے یہ جاننا ہے کہ میں کہاں ہوں؟''

ڈونٹ وری تم ایشیا میں ہی ہو۔'' اپنے بازو فولڈ کرتا وہ اٹھا تھا۔

''میں پاکستان میں ہوں یا نہیں؟'' ایک اور سوال آیا تھا۔

''نہیں۔'' یک لفظی جوب۔

وہ تیزی سے اسکی طرف بڑھی اور اسکا کالر دبوچتے ہوئے دھاڑی۔

''تمہارا کھیل ختم ہوا۔ بس بہت ہو گیا مجھے میرے گھر جانا ہے ابھی اور اسی وقت۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے اتنی دور لانے کی۔ مجھے میرے گھر بھیجو۔ رائٹ ناؤ۔''

اسکے چیخنے پر بازل نے دونوں انگلیاں کان میں ٹھونسیں۔

''ہو گیا۔''

''ہاں۔''

اس نے اپنے کالر سے طلسہ کے ہاتھ ہٹائے۔

''تو اب سنو تم اپنے ہی گھر میں ہو۔'' اس نے اپنے پر زور دیا۔ ''اور یہ تمہارا ہی گھر ہے۔ اور تمہیں اب یہیں ہی رہنا ہے۔ ہمم۔'' سنجیدگی سے کہتا وہ ڈائننگ ہال کا ڈور کھول کر چلا گیا۔ طلسہ پیچھے سے دھاڑی۔

''نہیں ہے یہ میرا گھر۔ نہیں رہنا مجھے یہاں سنا تم نے۔''

بازل اسکی آواز نظر انداز کرتا سٹڈی میں چلا گیا۔

۞......۞......۞

''کبیر بیٹا! آج بریا کے گھر کا چکر بھی لگا لو۔ کافی دن سے تم نہیں گئے تو بریا کی ماما تمہارا پوچھ رہی تھیں۔''

جبار اور کبیر پورچ کی طرف جا رہے تھے جب کبیر کی ماما نے اسے پیچھے سے کہا۔

''جی ماما، آج جاتا ہوں انکی طرف۔'' کہتے ہوئے وہ گاڑی کی طرف بڑھا۔ڈرائیور نے انکے لئے دروازہ کھولا۔وہ دونوں بیک سیٹ پر بیٹھ گئے تو ڈرائیور نے گاڑی گیٹ سے باہر نکال کر مین روڈ پر ڈالی۔

''تمہاری ماما چاہتی ہیں کہ رابیل کی شادی کر دی جائے۔'' جبار صاحب مکمل طور پر اسکی جانب متوجہ ہو کر کہہ رہے تھے۔کبیر نے سیل فون نیچے رکھا۔

''بات تو ماما بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔پر پہلے آپ رابیل اور خان سے پوچھ لیں۔کیا پتا ابھی وہ وقت چاہتے ہوں۔'' کبیر نے اپنی رائے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''دو سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے لیکن پھر بھی میں نائلہ سے آج اس سلسلے میں بات کرتا ہوں۔'' جبار اکبر نے کبیر کی ماں کا نام لیتے ہوئے کہا۔

''جی۔''اس نے بھی حامی بھری۔جبار صاحب نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا پھر بولے۔

''برخوردار! کچھ اپنا بھی سوچا ہے آپ نے؟'' کافی عرصے سے آئی دل کی بات انہوں نے کہہ ڈالی۔کبیر نے مسکرا کر اپنے ڈیڈ اور بیسٹ فرینڈ کو دیکھا۔جنہیں وہ ہر بات بلا جھجک کہہ دیا کرتا تھا۔

''اب میں آپکی اس خوبصورت مسکراہٹ کا کیا مطلب سمجھوں؟'' جبار صاحب نے اپنے بیٹے کے چہرے پر پھیلی پراسرار اور معنی خیز مسکراہٹ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے ڈیئر ڈیڈ۔'' وہ اپنے ڈیڈ کی آنکھوں کی چمک کو پڑھتے ہوئے بولا۔

''چلو مان لیا۔جیسی تمہاری مرضی لیکن میں اس معاملے میں سنجیدہ ہوں اور چاہتا ہوں کہ رابیل کے ساتھ تمہاری بھی شادی ہو جائے۔'' جبار صاحب نے سنجیدگی سے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔

''مجھے سوچنے کے لئے کچھ ٹائم چاہیے۔''اس نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

''ٹیک یوئر ٹائم۔''

※......※......※

وہ پاکستان میں نہیں ہے یہ بات اسکے لئے بڑی تشویش ناک تھی۔اسکے گھر والوں پر کیا بیت رہی ہوگی۔پاپا، ماما، زرین سب کتنے پریشان ہوں گے۔انگلیاں مروڑے وہ پزل سی بیٹھی تھی۔بازل تہمان نکاح کر کے مکمل

طور پر اسے قید کر چکا تھا۔اسکے کمرے میں کوئی فون یا موبائل نہیں تھا۔لاؤنج میں صرف ایک سیٹ رکھا تھا وہ بھی سینڈی کی نگرانی میں ہوتا تھا اور بقول اسکے اسمیں آؤٹ گوئنگ سسٹم نہیں تھا۔اور لاؤنج کے باہر بھی ایک گارڈ مسلسل کھڑا تھا۔مطلب وہ ہر طرح سے قید تھی۔

تین چار دن تک اس نے خوب گھر کے راستوں کو نقش کیا تھا۔ہر وہ جگہ جاننے کی کوشش کی تھی جہاں سے وہ فرار ہوسکتی مگر اسے ایسی کوئی بھی راستہ نہیں ملا تھا۔جو اسے اس قید خانے سے آزاد کروا سکے۔بہت سوچ کر اس نے پلان بنایا تھا اور بڑی احتیاط سے اس پر عمل کرنے کا سوچا تھا۔

وہ کچن میں آئی تھی جو کہ اس وقت خالی تھا۔اسٹو لائٹر اٹھانے کی بجائے اس نے میچ باکس اٹھایا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔پتا نہیں اس عمل سے اسے نجات ملنی تھی یا اس نے اور پھنس جانا تھا۔جو بھی تھا اس نے میچ سٹیک جلا کر پروں والے پردے پر لگا دی۔

نرم و ملائم سلک کے دھاگے سے بنے پردے نے سیکنڈوں میں آگ پکڑی تھی۔جونہی آگ بھڑک کر اوپر نیچے پردے پر پھیلنا شروع ہوئی وہ کمرے سے باہر نکل کر شور مچانے لگی۔

"آگ آگ میرے کمرے میں آگ لگی ہے۔"

اسکی آواز سنتے ہی تمام سرونٹس اسکے کمرے کی جانب دوڑے تھے۔طلسہ لاؤنج کے گیٹ کے سامنے گئی اور اسے کھڑکایا۔گارڈ نے درواز کھولا تھا۔وہ جھٹ سے باہر نکلی۔

"میرے کمرے میں آگ لگی ہے ان لوگوں سے بجھ نہیں رہی۔Go helpand them"اس نے اتنا حواس باختہ ہو کر کہا تھا کہ لاؤنج کے باہر کھڑا گارڈ اور گیٹ کیپر دونوں اندر کی جانب بھاگے تھے۔طلسہ موقع دیکھ کر پورچ کو عبور کرتی بڑا سارا گولڈن جالی دار گیٹ فل طاقت سے کھول کر باہر چلی گئی تھی۔

"سر! طلسہ میم کے کمرے میں آگ لگ گئی تھی جس پر ہم نے قابو پا لیا ہے مگر......" بازل کے کال اٹینڈ کرتے ہی سنڈی نے کہا تھا۔

"واٹ! طلسہ ٹھیک ہے۔" فکرمندی سے وہ یکدم کرسی سے کھڑا ہوا تھا۔

"سر۔طلسہ میم گھر سے چلی گئی ہیں۔" بازل کے سر پر گویا اس نے بم پھوڑا تھا۔

''کیسے چلی گئی وہ۔'' غصے سے اسکی رگیں تننے لگیں۔ پھنکارتے ہوئے پوچھا۔

''سر۔ہم سب خوف سے انکے کمرے کی جانب بھاگے تھے۔ پیچھے سے انہوں نے گارڈ کو بھی اندر بھیج دیا۔ اور خود موقع ملتے ہی نکل گئیں۔'' سینڈی نے ڈرتے ہوئے کہا تھا۔ بازل کے غصے سے وہ اچھے سے واقف تھی۔

''آگ لگی تھی جہنم نہیں بھڑک پڑی تھی جو تم لوگ خوف زدہ ہوگئے تھے۔آگ سے زیادہ تم لوگوں کو طلسہ پر فوکس کرنا چاہیے تھا۔ خیر تم لوگوں کو تو میں آکر پوچھتا ہوں۔'' طیش میں کہہ کر اس نے کال کاٹی اور اپنے بندوں کو ہدایت دیتا خود بھی گاڑی کی چابیاں اٹھاتا چل پڑا تھا۔

گھر سے باہر نکلتے ہی اسکے اعصاب شل ہونے لگے تھے۔ عجیب سے چائینیز و کورئنز طرز کے لوگ مکھیوں کے چھتے کی طرح سڑکوں پر منڈلا رہے تھے۔ کہیں سرخ پوشاک میں ملبوس سر پر پوشاک جیسی ہی گول بڑی سی ٹوپی پہنے ہنستی مسکراتی نوعمر لڑکیاں کھڑی تھیں تو کہیں تنکوں والی تکون کیپ پہنے عورتیں سبزی والے سے گپیں ہانک رہی تھیں۔ نیلے پلاسٹک کے سٹولوں پر براجمان بے تحاشہ لوگ اوپن ائیر کیفے کا مزہ لیتے ہوئے کھلکھلاتے دکھائی دے رہے تھے تو کہیں فٹ پاتھ پر بیٹھے ضعیف تاش کھیلنے میں مگن تھے۔ ڈھیر ساری سائیکلوں، سکوٹر اور بڑے بڑے سبزی کے گول ٹھیلے بڑی ساری رسی کی مدد سے شانوں پر لٹکائے لوگ ادھر ادھر منڈلا رہے تھے۔

ایک شاپ پر لہراتے جھنڈے سے وہ پہچان گئی تھی کہ وہ ویت نام کے کیپٹل ہنوئی میں ہے۔ تنگ گلیاں پرانے طرز کے بنے گھر آرٹیکچر کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ اس کلچر سے بھرے شہر میں جب وہ چلتے چلتے تھک گئی تو ایک بینچ پر آکر بیٹھ گئی۔ اسکی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب وہ کیا کرے۔ کس سے مدد لے۔ کوئی فون بوتھ بھی اسے نہیں دکھا تھا جو وہ گھر اطلاع دے دیتی۔ تھک کر اس نے دونوں ہاتھوں میں سر دیا تھا۔ اس سے فاصلے پر بیٹھے بزرگ کپل وائلن کی تاروں سے کھیلتے مدھر گیت فضا میں بکھیر رہے تھے۔ بینچ کی پشت پر لگا بوسیدہ درخت خزاں کی سختی جھیل نہ پایا تھا زرد پتوں کا بھار اسکی ڈالی کو جھکا کر ہلکان کر رہا تھا۔ ضعیف ڈالی پر ترس کھاتی ہوا پوری شدت سے آکر ان پتوں سے اسکی جان چھڑوا دیتی اور زرد پتے جھوم کر اڑتے ہوئے سڑک اور بینچ پر بیٹھے لوگوں پر پیلاہٹ کی بارش کر دیتے تھے۔

بازل تہمان نے ایک سخت نگاہ اسکے وجود پر ڈالی اور دانت پیستا اسکے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا۔ ہوا کے جھونکے کے ساتھ آتی خوشبو کو پہچان کر اس نے سر اٹھایا اور بری طرح کانپ گئی۔ ریڈش براؤن آنکھیں شعلے بھڑکاتی اسکے آہنی وجود کو راکھ کرنے کے درپے تھیں۔ طلسہ گھبرا کر کھڑی ہوئی تھی مگر بازل کی گرفت نے اسے واپس بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

''چھچھ۔ چھوڑو میرا ہاتھ۔'' وہ اسکے سرخ چہرے سے گھبرا گئی تھی۔ بازل نے اسکی کلائی پر اپنی گرفت اور مضبوط کی۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی گھر سے قدم بھی باہر نکالنے۔'' جھٹکے سے اسے اپنی اور کھینچتا وہ دبی دبی آواز میں دھاڑا تھا۔

''بازل تہمان! میرا ہاتھ دکھ رہا ہے۔'' خوف سے اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بولی ایسا جارحانہ روپ...... وہ پہلی بار اس سے ڈر رہی تھی۔

''اور جو میرا دل دکھا تھا۔ تمہارے کھو جانے کے خوف سے۔'' اس نے مزید اسے قریب کیا۔ طلسہ کا گھٹنا بازل کے گھٹنے سے ٹکرانے لگ تھا۔

''اسکا کیا؟ ہمم بولو۔''

''تمہاری غلام نہیں ہوں میں۔ خریدا نہیں ہے تم نے مجھے۔ نہیں رہنا چاہتی تمہارے ساتھ تو بس بات یہیں ختم ہوتی ہے اور اگر تم نے میرے ساتھ زبردستی کرنے کی ذرا سی بھی کوشش کی تو میں شور مچا دوں گی۔''

بازل اسکی طفل دھمکی پر ہنسا تھا۔ پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے گویا ہوا۔

''غلام نہیں ملکیت ہو میری کیونکہ تم میری بیوی ہو۔ اور چلانے کی دھمکی نہ ہی دو تو بہتر ہے کیونکہ اس سے خسارے میں تم ہی رہو گی۔'' اسکا ہاتھ اور مضبوطی سے تھامتا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہو۔ چھوڑو میرا ہاتھ۔ ہیلپ ہیلپ پلیز سم ون ہیلپ می۔ چھوڑو۔'' وہ چلائی تھی اور کسی نے اسکے چلانے کا نوٹس نہیں لیا تھا۔ کچھ فاصلے پر کھڑی گاڑی میں اسے روئی کے گال کی طرح ڈالتا وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھا تھا۔ طلسہ بری طرح دروازے کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ بازل نے اسکا ہاتھ ابھی بھی گرفت میں لیا ہوا

تھا۔

''چھوڑو میرا ہاتھ تم جاہل۔'' وہ جتنا اس سے ہاتھ چھڑوانے کی سعی کر رہی تھی اتنی گرفت بڑھتی جا رہی تھی۔ طلسہ نے ناخنوں سے بری طرح اسکے ہاتھ کی پشت زخمی کر دی تھی۔

''پلیز چھوڑو میرا ہاتھ۔'' درد کی شدت سے وہ چیخ پڑی تھی۔ آنسو سیل رواں کی طرح اسکا شبنمی چہرہ بھگو رہے تھے۔

بازل کے ہارن دینے پر گیٹ کھلا تھا۔ طلسہ نے ذرا سی بھی جنبش نہیں کی۔ چپ چاپ اسکے کھینچنے پر باہر نکلی تھی۔ اسے لگ رہا تھا اگر وہ ذرا سی بھی مزید ہلی تو اسکے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ وہ اسے گھسیٹتا ہوا کمرے میں لایا اور جھٹکے سے اسے چھوڑتے ہوئے دروازہ بند کیا تھا۔ طلسہ کا سر بیڈ کے پلر سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

وہ ابھی سیدھی ہی ہوئی تھی کہ بازل نے اسے بازو سے تھام کر پلر سے لگایا۔

''آئندہ اگر تم نے اس گھر سے باہر قدم رکھنے کا سوچا بھی تو تمہاری جان لے لوں گا میں۔ ایک بات اپنے اس چھوٹے سے دماغ میں بٹھا لو، تمہارا جینا مرنا سب میرے ساتھ اسی گھر میں ہے۔ تو اپنی جان کو فضول آزمائش میں مت ڈالو طلسہ۔ میں تمہارے ساتھ سخت نہیں ہونا چاہتا مجھے مجبور مت کرو سختی پر۔''

طلسہ کی آنسو بھری آنکھوں اور ہلتی ٹھوڑی پر وہ تھوڑا ڈھیلا پڑا تھا۔ موٹے موٹے آنسو اسکی آنکھوں کے کٹوروں سے چھلکنے لگے تھے۔ بازل گہرا سانس بھرتا پیچھے ہوا۔ طلسہ کی کلائی کو دیکھا جہاں اسکے انگلیوں کے نشان ثبت تھے۔ پھر کچھ بھی کہے بغیر اسکے کمرے سے چلا گیا۔

''تم مر جاؤ بازل تہمان۔'' اس نے روتے ہوئے اپنی بے جان کلائی کو دیکھا تھا۔

❁......❁......❁

''آپ کتنے بے مروت ہو خان۔ آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں آپ کو بھول گئی ہوں۔'' رابیل خان مرتضٰی کے سامنے بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔

''میں صرف آپکے لئے اتنی جلدی آئی ہوں اور آپ پھر بھی مجھ سے ناراض ہیں۔''

''تو بڑا احسان کیا کرم آپکا اب بھی نہ آتی۔''

خان ہمیشہ رابیل کی ایسی پوزیشن سے لطف اندوز ہوتا تھا۔اب بھی وہ خوب حظ اٹھا رہا تھا اور جان بوجھ کر اسے مزید تنگ کر رہا تھا۔خان کی اس سنگدلی پر وہ اور روہانسی ہوگئی۔ دھڑ دھڑ گرتے آنسوؤں میں مزید تیزی آگئی۔

''آپ بہت برے ہو خان۔ بہت برے۔ میری بالکل بھی پرواہ نہیں کرتے۔ ہر وقت مجھے ہرٹ کرتے ہیں اور رلاتے رہتے ہیں۔آپکی وجہ سے میں کتنے امپورٹنٹ کام چھوڑ کر آئی ہوں۔اور آپ ہیں کہ......'' رونے کے سبب بات پوری نہیں ہوسکی تھی۔ وہ بہت دلجمعی سے رو رہی تھی۔خان نے بڑے عام سے انداز میں ٹشو باکس اسکی جانب بڑھایا تھا۔رابیل نے دو تین ٹشو لیئے اور ناک پونچھنے لگی۔

ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔خان رابیل سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر مصنوعی روٹھ جاتا اور وہ اسکو منانے کیلئے منوں آنسو بہاتی۔ رابیل کی ایسی حالت خان کو بہت پسند تھی۔ وہ اسکی آنکھوں کے ذریعے بہتے آنسوؤں میں اپنے لیئے محبت دیکھتا تو خان کا دل مزید رابیل کی اور کھنچتا تھا پھر وہ مزید رابیل کو تنگ کرتا اور اپنے دل میں اسکی محبت کو اور ہوا دیتا تھا۔

''ہاں میں ہی برا ہوں۔ تمہیں ہرٹ کرتا ہوں۔تمہاری پرواہ نہیں کرتا۔ بولو کیا کرو گی۔زیادہ سے زیادہ یہ میرے نام کی انگوٹھی اتار دو گی۔ پاپا سے کہہ کر مجھ پر بے وفائی کا الزام لگا دو گی۔جیل بھجوا دو گی مجھے۔ بولو۔'' وہ ہمیشہ کی طرح بولا تو بنا سوچے سمجھے ہی بولتا چلا گیا۔رابیل کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلتی چلی گئیں۔خان کے بے رحم الفاظ نے اسکا دل بری طرح جکڑ لیا تھا۔وہ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''آپ ایسا کہہ بھی کیسے سکتے ہو خان کہ میں آپ کے نام کی انگوٹھی اتار دوں گی۔آپ سے قطع تعلق کرلوں گی میں مر سکتی ہوں خان پر ایسا ہرگز نہیں کر سکتی۔''

ہمیشہ کی طرح رابیل کے الفاظ خان کے دل پر نقش ہوگئے تھے۔اسکی والہانہ محبت سے لبریز نگاہیں رابیل کے متورم چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔رابیل کے منہ سے اپنے لیئے اس طرح کے الفاظ اسے سرشار کر گئے تھے۔ بہت مشکل سے محبت لٹاتی نگاہوں اور مسکراہٹ پر قابو پاتے ہوئے وہ بولا تو لہجہ صاف لاپرواہ تھا۔

''اب اپنے یہ مگرمچھ کے آنسو بند کرو۔ گھر بھی چلنا ہے۔ پتا نہیں تم لڑکیاں اتنے آنسو کہاں سے لے آتی

ہو۔'' رابیل نے بھیگی پلکوں سے اسے دیکھا اور بولی۔

''خان آپ واقعی مجھ سے محبت نہیں کرتے؟''

خان نے بل پے کر کے کہا۔

''تم چل رہی ہو یا میں جاؤں۔'' وہ کھڑا ہو گیا تھا۔ رابیل نے دکھی دل سے آنکھیں صاف کیں اور اسکے پیچھے چل دی۔

❁......❁......❁

وہ لاؤنج میں بیٹھی سینڈی کی دی ہوئی کتاب کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ وہ غاروں کی دنیا میں بھٹکی ہوئی تھی۔ اتنی گم تھی کہ اسے پتا ہی نا چلا کب بازل اسکے پاس آ کر بیٹھا۔ پانچ منٹ تک وہ اسے دیکھتا رہا پھر اسکے ہاتھ سے کتاب لے کر اسے صوفے پر الٹا کر کے رکھ دی۔

طلسہ اس عمل سے چونکی تھی۔ بازل کی یہ حرکت اسے ایک آنکھ نا بھائی تھی۔ وہ اٹھ کر جانے لگی مگر بازل نے اسکے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ طلسہ کے منہ سے سی کی آواز نکلی تھی۔ بازل نے فوراً وہاں سے ہاتھ ہٹا کر کہنی سے تھام لیا۔

''میرا ہاتھ چھوڑیں۔'' سرد آواز سے کہا۔

''پلیز بیٹھ جاؤ طلسہ! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' اس نے جھٹکے سے اسے صوفے پر بٹھایا۔

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔ مجھے تنگ مت کرو۔''

بازل نے اسکی کلائی پر موجود سرخ نشان کو دیکھا جس میں سے ایسا لگتا تھا جیسے ابھی خون ابل پڑے گا۔ اسے تاسف ہوا۔

''ایم سوری۔'' اس نے نرمی سے ان نشانوں پر انگلی پھیری۔ طلسہ کی آنکھوں میں آنسو ابھر آئے۔

''غصے میں کیا کر جاتا ہوں پتا ہی نہیں چلتا۔'' اسکی آواز میں ندامت گھلی تھی۔

''طلسہ! بس تمہیں کھونے سے ڈرتا ہوں میں۔ دنیا بہت ظالم ہے بہت بے رحم۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہارے ساتھ کچھ بھی غلط ہو۔ وسوسے طرح طرح کے خدشات دماغ میں ابھر رہے تھے جب پتا چلا تم یہاں سے چلی گئی ہو۔ بس انہیں کے زیر اثر تمہارے ساتھ سختی کر بیٹھا۔ پلیز مجھ سے بدگمان نہ ہو۔'' وہ التجا کر رہا تھا۔

معافی مانگ رہا تھا اس سے جو اسکا دل تھی جس میں اسکی جان بستی تھی۔

طلسہ نے اپنا ہاتھ کھینچا۔

"لفظوں کے جال اچھے بنتے ہو۔مگر یاد رکھو مسٹر میں جال میں پھنسنے والوں میں سے نہیں ہوں۔جو تم میرے ساتھ کر چکے ہو نا اس کا حساب تو اب اللہ ہی تم سے لے گا۔" وہ دور ہوتے ہوئے بولی تھی۔"یہ فلرٹ کسی اور کے ساتھ ہی کرنا۔"

بازل مبہم سا مسکرایا۔

"مادام! بیوی کے ساتھ فلرٹ نہیں محبت کی جاتی ہے پاکیزہ محبت۔"

طلسہ جانے لگی تھی مگر بازل نے ایک بار پھر اسے کھینچ کر بٹھا لیا۔بازل نے اس بار دوسرا ہاتھ پکڑا تھا۔وہ جھٹکا دیتے ہوئے چیخی۔

"ہاتھ چھوڑو میرا۔"

"اگر نا چھوڑوں تو......؟"

طلسہ نے پوری جان لگا کر ہاتھ چھڑوا کر کھڑے ہوتے ہوئے جھک کر اسکا کالر پکڑا تھا۔

"اپنی حد میں رہا کرو تم۔سمجھے آئندہ اگر تم نے مجھ سے گھٹیا گفتگو کرنے کی کوشش بھی کی تو میں تمہیں ختم کر ڈالوں گی۔اس ضم میں مت رہو کہ تمہارے رحم و کرم پر پڑی ہوں تو جو چاہے تم میرے ساتھ کرتے رہو گے۔"

غصے کے مارے اسکے منہ سے کف نکل رہا تھا۔بازل نے اپنے کالر پر رکھے اسکے ہاتھوں پر ہاتھ جمائے اور اٹھ کھڑا ہوا۔طلسہ نے ہاتھ کھینچنے کی سعی کی مگر ناکام رہی۔وہ قدم بڑھاتا اسے الٹا چلنے پر مجبور کر رہا تھا۔تیسرے قدم پر وہ سنگل صوفے پر گری تھی۔اسکی پشت صوفے کی پشت سے جا لگی۔بازل نے اسکے ہاتھوں کو آزاد کیا اور جھک کر اپنے دونوں ہاتھ اسکے دائیں بائیں رکھ دیئے۔طلسہ اس بندش پر گھبرا گئی۔

"ڈئیر طلسہ! ختم تو تم مجھے کب کا کر چکی ہو۔اور کتنا ظلم کرو گی۔" وہ اس پر جھکا کہہ رہا تھا۔اسکے لب مزید کچھ کہنے کیلئے کھلے تھے مگر سیل کی رنگ ٹیون نے اسکا منہ تک کڑوا کر دیا۔وہ شدید بدمزہ ہوا۔

"وقت تمہارے ساتھ جا رہا ہے بیوی۔" سیدھے ہوتے ہوئے اس نے نمبر دیکھا۔ہابی کالنگ پیچھے ہوتے

ہوئے اس نے کال اٹینڈ کی تھی۔طلسہ موقع غنیمت جان کر بھاگ گئی۔

۞......۞......۞

گھر میں ایک غیر معمولی سی ہلچل مچی ہوئی تھی اور اس ہلچل کی وجہ ہابی کی آمد تھی۔ہابی کی آمد کے سبب بازل نے پورے گھر کو سر پر اٹھا لیا تھا۔اس نے ہابی کے آنے کی خوشی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ہابی کو دیکھ کر اسکا چہرہ گلنار ہو گیا تھا۔انہیں ہگ کر کے اس نے انکی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''آں میری جان۔''صوفی کو گود میں اٹھاتے ہوئے اس نے چوما تھا۔وہ خوشی سے نہال ہی تو ہوگئی۔

''میں نے آپکو بہت مس کیا ہابی۔''

''میں نے بھی۔''ہابی کہہ رہی تھیں۔جب انکے پیچھے سے کیری بیگ گھسیٹتی شامہ آئی تھی۔بازل نے سوالیہ نظروں سے ہابی کو دیکھا۔

''بس اب بہت ہو گیا۔ختم بھی کرو تم دونوں اپنی لڑائی۔''ہابی کے کہنے پر شامہ آگے بڑھی۔

''ایم سوری بازل۔''نم آنکھوں سے بولی۔

''اٹس او کے سٹوپڈ۔''بازل نے اسکے بال بکھیرتے ہوئے اسے ساتھ لگایا تھا۔ہابی مسکا دیں۔

''طلسہ کیسی ہے؟''گھر پہنچ کر اس نے پوچھا تھا۔صوفی اسکی گود میں سوئی ہوئی تھی۔بازل نے اسے کمرے میں جا کر لٹایا اور ان دونوں کے درمیان بیٹھ کر بولا۔

''توپ ہے۔''سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔شامہ ہنسی۔

''میری بات نہیں مانو گے تو یونہی خسارے میں رہو گے۔''ہابی نے ناراضگی سے کہا۔

''آپ کی بات نہ مان کر بھی خسارے میں ہوتا ہوں میں۔''ہابی نے اسے گھوری لگائی۔

''اب ڈرائیں تو نا۔''وہ مصنوعی خوف کے ساتھ بولا تھا۔

''تم اور ڈرنے والی چیز......''شامہ نے درمیان میں لقمہ دیا۔

''رہنے ہی دو۔''وہ اٹھ کر وہاں سے گئی۔ہابی نے بازل کو دیکھا۔

''سب سوٹ آؤٹ ہو۔''اس نے گہرا سانس لے کر نفی میں سر ہلایا۔

"چلو پھر تمہاری توپ سے ملنا ہی پڑے گا۔" ہابی اسکے بال خراب کرتیں کمرے کا پوچھ کر چل دیں۔

وہ بیڈ پر بیٹھی کتاب پڑھنے میں مگن تھی۔ جب دروازے کی ناک کے ساتھ پوچھا گیا۔

"کیا میں اندر آسکتی ہوں؟"

انہیں دیکھتے ہی طلسہ سیدھی ہوئی تھی۔

"آئیں نا پلیز۔"

بتیس تینتیس سالہ خوبصورت سی ہابی صوفے پر آ کر بیٹھ گئیں۔

"کیسی ہو؟" انہوں نے شائستہ لہجے میں پوچھا تھا۔

"ٹھیک۔" بے تاثر سا کہا۔

"مجھے تو جان گئی ہو گی تم۔ میں ہابی ہوں بازل کی بڑی بہن۔"

اس تعارف پر طلسہ کو چار سو چالیس وولٹ کا جھٹکا لگا تھا۔ اگر ہابی بازل کی بہن تھی تو پھر صوفی۔ بے تحاشہ سوال اسکے دماغ کے دریچوں میں دستک دینے لگے۔ اس نے انہیں غور سے دیکھا وہ کافی حد تک بازل کی شباہت دیتی تھیں۔

"میں یہ امید کر رہی تھی کہ تم مجھ سے ملنے آؤ گی۔" انہوں نے شکوہ کیا۔

"ہوسکتا ہے ہابی صوفی کو پال رہی ہوں۔" اس نے خود سے ہی سوچ لیا تھا۔

"وہ میرے سر میں درد تھا تو......" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

ہابی ایک نظر اسے دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

"دیکھو طلسہ! میں جانتی ہوں بازل نے جو تمہارے ساتھ کیا وہ بہت غلط تھا۔ میں اسلئے اس سے ناراض بھی تھی۔ حالانکہ میں نے کبھی اسے اتنے عرصے ایسے نظر انداز نہیں کیا مگر جو فعل اس نے انجام دیا تھا اسکی میں نے اسے خوب سزا دی۔ قطع تعلق کیا رکھا۔ یہاں تک کہ صوفی کو بھی اس سے دور رکھا۔ لیکن اس نے یہ سب چیزیں برداشت کیں۔ کیونکہ اسے تمہیں حاصل کرنا تھا۔ ہم لوگوں پر اس نے تمہیں فوقیت دے دی طلسہ۔ وہ ایک نہایت ہمدرد اور صاف دل انسان ہے طلسہ جو کسی کا برا نہیں چاہ سکتا۔"

طلسہ کو ہابی اچھی لگی تھیں شائستہ لہجے میں انکی بات کاٹی۔

"پلیز ہابی، میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

اسکے ملتجی لہجے پر وہ یکدم چپ ہو گئیں پھر بات بدلتے ہوئے بولیں۔

"تم تو ماشاء اللہ بہت پیاری ہو۔ تصویروں سے بھی زیادہ۔ اللہ تمہیں بہت خوش رکھے۔" انہوں نے اٹھ کر اسکے ماتھے پر بوسہ دیا۔ طلسہ کی پلکیں بھیگ گئیں۔ اتنے عرصے بعد اس طرح کا مٹھاس بھرا لہجہ جو سنا تھا اس نے۔

۞......۞......۞

جب انسان کے اندر ہی سناٹا چھایا ہوا ہو تو کہاں زمانے کا شور اور خوشیاں بھلی لگتی ہیں۔ تب نہ ہی موسم کی خوشگواریت طبیعت کو بدل سکتی ہے اور نہ ہی لوگوں کی سنگت۔

وہ خاموش نظریں جھکائے نائلہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ جنہوں نے آتے ہی والہانہ پن سے اسکے ماتھے کو چوما تھا۔ جہاں ایک طرف وہ انکے جذبوں کی قدر کرتی تھی وہیں دوسری طرف وہ اکتا بھی جاتی تھی۔ زیادہ اکتاہٹ کا باعث کبیر کی نظریں ہوتی تھیں جو مکمل طور پر اسے اپنے حصار میں لئے ہوتی تھیں۔

"بیٹا کتنا عرصہ ہوا تمہیں دیکھے ہوئے۔ کب سے دل چاہ رہا تھا آج خاص تمہارے لئے ٹائم نکال کر آئی ہوں تم سے ملنے۔"

نائلہ کی باتوں پر بریا نے زبردستی ہونٹوں کو کھینچا تھا۔

"آپکا بہت شکریہ ٹائم نکالنے کا۔" بریا کی ماما نے تشکرانہ لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں آنٹی، اس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔" کبیر نے کہا۔ "یہ تو ہمارے لئے اعزاز کی بات ہے کہ آپ جیسے اچھے اور مخلص لوگوں کے ساتھ فیملی ریلیشن بڑھے ہیں ورنہ آج کل کے دور میں کہاں اتنے اچھے لوگ ملتے ہیں۔"

اب کے اسکی نظریں بریا کی جانب تھیں۔

"ایکسکیوز می۔" بریا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور روم سے چلی گئی۔ اسکے پیچھے نائلہ اور بریا کی ماما باتوں میں مگن ہو گئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد کبیر بریا کی ماما سے بولا۔

''آنٹی! اف یوڈونٹ مائنڈ میں بریا سے بات کرلوں؟''

''جی بیٹا! بالکل اس میں مائنڈ کرنے والی کیا بات ہے۔'' وہ جواباً تھینکس کہتا ہوا وہاں سے اٹھ آیا۔ اسکا رخ ٹیرس کی جانب تھا۔ حسب توقع بریا وہیں ہی کھڑی تھی۔ ریلنگ پر ہاتھ رکھے ایک جگہ نظر جمائے ہوئے۔

''مجھے لگا ہی تھا آپ یہاں ہوں گی۔'' وہ اسکے پاس آکر کھڑا ہوا۔

''آپ یہاں کیوں آگئی ہیں؟'' کبیر نے سوال کیا تھا۔

بریا خاموش رہی پھر صاف گوئی سے بولی۔

''کیونکہ میں اکتاہٹ کا شکار ہوگئی تھی۔''

''اکتاہٹ کا شکار، پر کیوں؟'' ناسمجھی والے انداز میں پوچھا۔

''کیونکہ آپکی نظریں مجھے ٹیز کر رہی تھیں۔'' اس نے ٹھوس لہجے میں کہا تو کبیر چونک گیا۔ یکدم شرمندگی اسکی آنکھوں میں در آئی۔

''آپ پلیز آئندہ مجھے اس طرح مت دیکھئے گا۔ کیونکہ مجھے یہ سب بالکل پسند نہیں اٹ میکس می ان کمفرٹیبل۔'' کب کی آئی دل میں بات وہ آج بول ہی گئی تھی۔ کبیر کو شدید برا لگا۔

''آپکو کیا لگتا ہے میں آپکو بری نظر سے دیکھتا ہوں؟'' اس نے مایوسی کے ساتھ پوچھا۔

''نظر اچھی ہو یا بری میں کسی طور برداشت نہیں کرسکتی۔ خاص کر ان لوگوں کی جن سے میرا کوئی تعلق نہ ہو۔'' دوٹوک تلخ لہجے میں اس نے کہا تھا۔

''اور اگر تعلق قائم ہوجائے تو؟'' اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا؟'' بریا پوری طرح چونکی تھی۔

''مطلب آپ خود نکال لیجئے گا۔ اتنی ذہانت تو رکھتی ہیں نا آپ۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا اسے خطروں کے گرداب میں چھوڑ گیا۔

✿......✿......✿

وہ اپنے کمرے سے باہر آرہی تھی۔ جب اسے گیلری میں اپنی ڈول کے ساتھ کھیلتی ہوئی فیری فراک میں گپو

گپوسی بچی نظر آئی۔صوفی اسے دیکھتے ہی اسکی جانب بڑھی۔

''السلام علیکم میرا نام صوفی ہے اور آپکا؟''صوفی کے اتنے معصومیت بھرے انداز پر طلسہ کو بے اختیار پیار آیا۔آگے بڑھ کر اس نے صوفی کو گلے سے لگایا تھا۔پھر وہ اسکا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لیتے ہوئے بولی۔

''میرا نام طلسہ امام ہے اور آپکا نام تو بہت ہی پیارا ہے۔''

''اور میں پیاری نہیں ہوں؟''صوفی نے منہ پھلاتے ہوئے پوچھا۔طلسہ کو اس میں زرین کی جھلک نظر آنے لگی، روہانسی ہوتے ہوئے کہا۔

''آپ بھی بہت پیاری ہو بالکل پری جیسی۔''

طلسہ کی تعریف پر صوفی کی ریڈش براؤن آنکھیں چمک اٹھیں۔پھولے پھولے گلابی گال اور لال ہو گئے۔

''آپ آئیں نا مجھے آپ سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔''اس نے بہت پر ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا تھا۔

''کیوں نہیں۔''

طلسہ اسے کمرے میں لے آئی۔صوفی بڑے حق سے اسکی گود میں چڑھ کر بیٹھی تھی۔

''اچھا تو بتاؤ آپ کون ہو؟''صوفی نے اپنی سٹف ڈول کو گود میں لٹاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ارے ابھی بتایا تو میں طلسہ ہوں۔''

''اوہو۔''صوفی نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔جیسے اسکی کم عقلی پر افسوس کیا تھا۔

''آپ بابا کی کیا ہو؟''بڑوں کے سے انداز میں اس نے بابا پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔طلسہ کو وہ یکدم بازل لگی تھی۔تھی تو اسی کی کاربن کاپی ہو بہو بازل جیسی تھی وہ۔

''اور یہاں کیوں آئی ہیں؟''ایک کے بعد اس نے دوسرا سوال کیا تھا۔طلسہ اسکے سوالوں پر تھوڑی سی ڈسٹرب ہو گئی تھی پھر اس نے کمال مہارت سے بات بدلی تھی۔

''ارے یہ آپکی ڈول تو بہت پیاری ہے۔''

طلسہ کے کہنے پر صوفی کی آنکھوں میں چمک آ گئی اور وہ پر جوش انداز میں کہنے لگی۔

''ہے نا۔ یہ میرے پاپا نے لاکر دی تھی مجھے جب میں پورے پانچ سال کی ہوئی تھی۔''اس نے اپنی پانچوں انگلیاں کھول کر کہا۔

طلسہ چونکی صوفی کے ریشمی بالوں میں چلتی اسکی انگلیاں تھمی تھیں۔

''پاپا مطلب بازل ہے نا؟''

''افوہ۔''صوفی نے ایک بار پھر اپنا ماتھا پیٹا۔

''وہ تو میرے بابا ہیں۔ پاپا تو میرے غضنفر ہیں۔ میری ماما کے ہسبنڈ۔''اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''مطلب آپ اپنے پاپا کی بیٹی ہو؟''طلسہ الجھ گئی تھی۔

''یس لیکن میں بابا کی بھی بیٹی ہوں۔''طلسہ نے گہرا سانس فضا کے سپرد کیا۔تو یہ معاملہ تھا۔صوفی بازل کی بھتیجی تھی اور وہ اسے اسکی بیٹی سمجھی بیٹھی تھی۔

''آپکی برتھ ڈے کب تھی؟''طلسہ نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

''5 جنوری کو۔''صوفی نے پھر انگلیوں کو کھول کر بتایا۔

''اوہو، تو یعنی میں نے آپکی برتھ ڈے مس کر دی۔''طلسہ کو جیسے افسوس ہوا۔

''ہاں پتا ہے میری برتھ ڈے پر ہم سب نے بہت مزے کیئے تھے۔''صوفی پر جوش انداز میں اسے اپنی برتھ ڈے کی تفصیلات سے آگاہ کرنے لگی اور طلسہ بڑے اشتیاق سے اسکی باتیں سن رہی تھی۔

''کیا آپ مجھے اپنی فرینڈ بنائیں گی؟''صوفی نے بات کے اختتام پر طلسہ سے پوچھا تھا۔

''ہاں بالکل، آج سے ہم دونوں کی پکے والی دوستی ہو گئی۔''

طلسہ نے اسکے دائیں ہاتھ سے ہاتھ ملایا تھا۔

''تو پھر میں آپکو کیا بلاؤں؟''طلسہ سے گلے ملنے کے بعد صوفی نے پوچھا تھا۔

''جو آپکا دل چاہے۔''طلسہ نے اسکے گداز گالوں کو چھوتے ہوئے کہا تھا۔

''اوکے پھر میں آپکو سوچ کر بتاؤں گی۔''صوفی اسکی گود سے اتری اور باہر بھاگ گئی۔

اس دن کے بعد طلسہ کی صوفی کے ساتھ اچھی خاصی فرینڈ شپ ہوگئی تھی۔ کبھی وہ صوفی کی فرمائش پر کچن میں گھسی کچھ بنا رہی ہوتی تو کبھی اسکی ڈول کے ساتھ کھیلتی اور اس سے گھنٹوں باتیں کرتی۔ طلسہ کو تو صوفی کی صورت میں راہ فرار مل گیا تھا یہی وجہ تھی جو دن پہلے کٹتا ہی نہیں تھا اب کیسے گزر جاتا پتا ہی نا چلتا تھا۔

''السلام علیکم۔'' مدھم آواز میں سلام کرتی وہ صوفی کے ساتھ چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ ہابی نے طلسہ کو دیکھا۔ پھر شامہ کی جانب انکی نظریں گئی تھیں۔ وہ جب سے آئی تھیں، دیکھ رہی تھیں طلسہ کا بازل کیلیئے سرد اور خشک رویہ۔ ہابی کے آتے ہی بازل کو ارجنٹ 6 دن کیلیئے سری لنکا جانا پڑ گیا تھا۔ آج 6 دن بعد آیا تھا تو تب بھی طلسہ کی لاتعلقی اسکی منتظر تھی۔ ہابی کو یہ دیکھ کر شدید افسوس ہوا۔

''وعلیکم السلام۔'' سب نے مل کر جواب دیا۔ شامہ اسکی اور دیکھ کر مسکائی تھی۔ اسکا اور طلسہ کا تعارف ہو چکا تھا۔ شامہ اسکی طرف اپنا جھکاؤ کرتی مگر طلسہ کے لئے دیئے رویے کی وجہ سے وہ اس سے فاصلے پر رہ رہی تھی۔

''آج میں آپکے ہاتھ سے کھانا کھاؤں گی۔'' طلسہ کو اپنی جانب متوجہ پا کر صوفی نے لاڈ سے کہا تھا۔

''ہاں کیوں نہیں۔'' طلسہ نے پیار سے اسکا گال کھینچا اور اسے اپنے ہاتھ سے ناشتہ کروانے لگی۔ بازل آنکھوں میں استعجاب لئے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ پل خوشگوار بھی تھے اور حیران کن بھی۔

''پتا ہے بابا۔ میری اور انکی ابھی فرینڈ شپ ہوئی ہے۔'' صوفی کے فخریہ انداز میں بتانے پر وہ مسکرایا تھا۔

''آپ کی اور طلسہ کی دوستی کب ہوئی؟''

ڈائننگ ہال سے سب سے پہلے طلسہ اٹھ کر گئی تھی۔ ہابی اور شامہ کے جاتے ہی اس نے صوفی سے پوچھا تھا جو ناشتہ کرنے کے بعد اسکی گود میں چڑھ کر بیٹھ گئی تھی۔

بازل کے پوچھنے پر صوفی نے پہلے دن سے لے کر اب تک کی ساری باتیں اسکے گوش گزار دیں۔ بازل تہمان بہت محظوظ سا اسکے ایکشنز دیکھ رہا تھا۔ اسکی کافی ختم ہوگئی تھی پر صوفی کی باتیں ختم نہیں ہوئیں۔ اس نے خالی مگ ٹیبل پر رکھا اور محویت سے دیکھنے اور سننے لگا۔

''تو بابا میں انہیں کیا بلاؤں؟ مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔'' اپنی بات کے اختتام پر صوفی نے بہت فکرمندی سے پوچھا۔ جیسے یہ اسکے لئے ایک معمہ ہو جسے وہ سلجھا نا پا رہی ہو۔

''بابا کی جان۔'' بے اختیار ہی بازل تہمان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے جنہیں سوچ کر وہ خود بھی ٹھٹک گیا تھا۔

''بابا کی جان۔'' صوفی نے اسکے الفاظ دوہرائے تھے۔

''پر بابا کی جان تو میں ہوں نا۔'' اس نے ماتھے پر تیوریاں ڈالتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہاں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ بابا کی جان ہو۔'' بازل نے اسکے ریشمی بالوں میں انگلیاں چلائی تھیں۔

''مگر وہ بھی بابا کی جان ہیں۔'' بازل تہمان نے ٹھہر ٹھہر کر الفاظ ادا کئے تھے۔

''پر وہ کیوں بابا، وہ آپکی جان کیوں ہیں؟'' صوفی کے بہت اشتیاق سے پوچھنے پر بازل مسکرا دیا۔ پھر بولا۔

''کیونکہ وہ بابا کی وائف ہیں جیسے ماما آپکے پاپا کی۔'' صوفی نے اپنی آنکھیں پر سوچ انداز میں گھمائیں اور جیسے یاد آجانے پر بولی۔

''بٹ بابا! جب میں نے ان سے پوچھا تھا تو انہوں نے نہیں بتایا تھا۔''

''وہ بھول گئی ہوں گی۔اسلئے نہیں بتایا ہوگا۔'' بازل نے اسکی بات پر گہرا سانس بھر کر کہا تھا۔

''اوکے تو پھر میں آج سے ان کو بابا کی جان ہی کہوں گی۔ ویسے بھی مجھے وہ بہت پسند آئی ہیں۔'' حتمی لہجے میں کہتے ہوئے اس نے سر ہلا کر اسے بتایا تھا۔

''ویری گڈ۔ پر پہلے آپ کو مجھ سے ایک پرامس کرنا ہوگا۔''

بازل کے کہنے پر صوفی نے پوچھا۔ ''کیا بابا؟''

''یہی کہ آپ یہ تمام باتیں طلسہ کو نہیں بتائیں گی۔ اسپیشلی بابا کی جان والی بات۔'' بازل نے تنبیہی والے اندز میں کہا۔

''پرامس بابا میں نہیں بتاؤں گی۔'' اس نے جھٹ سے وعدہ کیا تھا۔ بازل نے اسکا دائیاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بولا۔

”پکے والا وعدہ۔“ صوفی نے جواباً اسکا ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

”پکے والا۔“

⁂......⁂......⁂

”طلسہ کا رویہ نا قابل یقین ہے میرے لئے۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ میرے بھائی سے اتنی زیادہ بدظن ہے۔“ ہابی تاسف بھرے لہجے میں شامہ سے مخاطب تھیں۔

”رات کو وہ آیا تھا اور کچھ نہیں تو کم از کم حال احوال ہی پوچھ لیتی۔ ابھی ناشتے پر بھی اس سے مخاطب تک نہیں ہوئی۔“

”اس بات کی تو مجھے بھی حیرت ہے جس طرح وہ بازل سے کٹی ہوئی ہے اور جوری ایکشن وہ بازل کو دیکھ کر دیتی ہے وہ نا قابل یقین ہے۔ مطلب بازل تہمان جیسے بندے کو کوئی کیسے اتنے لمبے عرصے تک اگنور کر سکتا ہے؟“ شامہ نے بھی ہابی کی ہی تائید کی تھی۔

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو اسلیئے میں چاہتی تھی بازل تم سے شادی کرے۔ آفٹر آل تم دونوں بچپن کے دوست تھے۔ اور جس طرح کی تم دونوں کی بانڈنگ تھی صاف لگتا تھا کہ تم دونوں آپس میں شادی کرو گے۔“

ہابی کے کہنے پر شامہ کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی ابھری۔ جسے اس نے فوراً سے قابو کیا تھا۔ اسے بھی کہاں یقین آیا تھا۔ بازل کے اقدام کا۔ کتنی لڑی تھی وہ اس سے۔ کتنے آنسو بہائے تھے اس نے اس پتھر کے سامنے جس میں شگاف ایک ہی نام نے ڈالا تھا۔ جسے پگھلایا صرف ایک ہی انسان نے تھا۔ اور اس کے آگے اسے کوئی نہ دکھا تھا۔ نہ ہابی، نہ صوفی اور نہ ہی شامہ کے آنسو و ناراضگی۔

”جس دن مجھے بازل نے اس رشتے کے بارے میں بتایا تھا اسی دن میں نے اسے اس رشتے کیلئے منع کر دیا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی اسے کسی کی بدعائیں و آہیں لگیں۔ کسی کے آنسوں اسے کھا جائیں۔ میں نے اسے سمجھایا تھا کہ بازل تہمان، زبردستی کے رشتے کی بنیاد بہت کمزور ہوتی ہے یہ زیادہ دیر تک ٹک نہیں سکتے۔ ڈھے جاتے ہیں، ملیا میٹ ہو جاتے ہیں بدگمانیوں کے سائے تلے۔ مگر وہ بھی اپنی ضد کا پکا نکلا۔ یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ میں نے جو کیا ہے ٹھیک کیا ہے آپ دیکھئے گا بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ ہابی مسلسل بولے جا رہی

تھیں۔

''مگر اب تم خود ہی دیکھ لو، سب کچھ کتنا ٹھیک ہے۔ جو لڑکی سال بھر کے عرصے میں اسکی نہ ہو سکی وہ اپنی تمام عمر بھی گزار دے تب بھی اسکی نہ ہو سکے گی۔'' ہابی جیسے سب کچھ جانچ چکی تھیں۔

''پر ہابی آپ یہ بھی تو دیکھیں نا، اس میں طلسہ کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ وہ ایک لڑکی ہے اور جن حالات میں انکی شادی ہوئی ہے اس سے آپ بھی واقف ہیں۔ اس سے اسکے والدین، اسکا گھر چھوٹا ہیلا تعلق کر دیا گیا ہے اسے ہر شے سے یہاں تک کہ اسکے وطن سے بھی۔ اب یہ اسکی انا کا مسئلہ ہے۔ اور آپ جانتی ہیں انا کتنی بری چیز ہے۔ وہ کیسے اس شخص کو اپنا سکتی جو ان سب چیزوں کے چھیننے کا سبب بنا ہے۔'' شمامہ نے طلسہ کی سائیڈ لی تھی جو بھی تھا اس تمام معاملے میں اسے طلسہ بے قصور لگی تھی۔

''تم ٹھیک کہتی ہو شمامہ۔'' انہوں نے اسکی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ ''بازل کو چاہئے کہ وہ ہوش کے ناخن لے۔ اپنی اور اسکی زندگی برباد نا کرے۔ طلسہ نا سمجھ ہے مگر بازل کو تو عقل سے کام لینا چاہئے۔''

''آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں ہابی! میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' شمامہ ہابی کی بات پر الجھ سی گئی تھی جس پر ہابی گہری سانس بھر کر رہ گئیں۔

✡......✡......✡

ہوا تو کچھ بھی نہیں

بس تھوڑا سامان ٹوٹا ہے

تھوڑے سے لوگ بچھڑے ہیں

تھوڑے سے خواب بکھرے ہیں

بس تھوڑی سی نیندیں اڑ گئی ہیں

تھوڑی سی خوشیاں چھن گئی ہیں

ہوا تو کچھ بھی نہیں

بس اپنا آپ گنوایا ہے

آنکھوں کو برسنا سکھایا ہے

چاہتوں کا صلہ پایا ہے

ہوا تو کچھ بھی نہیں

بس کسی اپنے نے رلایا ہے۔

کبیر کی بات اسے بہت پریشان کر گئی تھی وہ اپنی سوچوں میں گھری مسلسل ایک ہی بات سوچ رہی تھی۔

''اگر تعلق قائم ہو جائے تو......؟''

لفظوں کا یہ زہر آہستہ آہستہ اسکے بدن میں سرایت ہوتا اسے بے حال کر رہا تھا۔ گھٹن پھر اسکے اندر پروان چڑھنے لگی تھی۔ بڑھتی فرسٹریشن سے نجات حاصل کرنے کیلئے وہ سیل فون اٹھا کر باہر آ گئی تھی۔

آج سنڈے تھا، آفس کی چھٹی تھی اور یہاں وہ خان کے سوا کسی کو نہیں جانتی تھی۔ اور خان سے بات کرنے کا فی الحال موڈ نہیں تھا۔ اس وقت وہ صرف اپنی ذات تک ہی محدود رہنا چاہتی تھی۔ مسلسل چلتے چلتے جب وہ تھک گئی تو آخر سڑک کے کنارے بینچ پر بیٹھ گئی۔

بازل کی سوچیں منہ زور سیلاب کی طرح اسکے دماغ میں ٹھوکریں مار رہی تھیں۔ وہ فرسٹریشن کی انتہا تک پہنچنے لگی۔ وجود پر ہلکی ہلکی کپکپی طاری ہوتے ہی عجیب سی بے چینی و ہلچل اس میں مچنے لگی تھی۔ وقفے وقفے سے سانس چھوڑ کر وہ اپنی مٹھیوں کو بھینچنے لگی۔ اسے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا اسے ہو کیا رہا ہے۔ اپنے لب کاٹتی وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اسکے ہاتھ میں موجود موبائل کی سکرین وقفے وقفے سے روشن ہوتے ہوئے کالز آنے کا عندیہ دے رہی تھی۔

معمول کے برعکس آج وہ بریا کو شدت سے یاد آ رہا تھا۔ جانے کیوں اسے لگ رہا تھا جیسے وہ مسلسل اسے بلا رہا ہے، اسے یاد کر رہا ہے۔ جیسے بازل کو اسکی ضرورت ہے۔ بے بسی سے وہ رونے لگی۔ اسکا شدت سے دل کر رہا تھا کہ وہ بازل سے ملے، اس سے بات کرے اسے دیکھے مگر وہ بے بس تھی۔ اس قدر بے بسی، اس قدر بندھے ہاتھ۔ وہ ہچکیوں کے ساتھ سسکنے لگی تھی۔ اسکی آنکھوں سے دکھ بہنے لگا تھا۔ لبوں پر کرب و ملال رقم تھا۔ سڑک پر سے گزرنے والے لوگ اسے حیران و پریشان نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پر وہ بغیر کسی کو دیکھے اپنی قسمت

پر ماتم کناں تھی۔اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔

خوب رودھو کر اپنی فرسٹریشن نکال کر دوپٹے کے پلو سے منہ صاف کرتی وہ اٹھی تھی۔اپنے پاپا سے کیا وعدہ آج اس نے پھر سے توڑ دیا تھا اور وہ اسکے لئے شرمندہ بھی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ وعدہ توڑنے والوں میں سے ہو مگر یہ ایک ایسا معاملہ تھا جو اسکی ہمت سے بھی بڑھ کر تھا۔سکون کا لحاف اوڑھے وہ قدم اٹھا رہی تھی جب سڑک کراس کر کے بھاگتے ہوئے خان اس تک آیا تھا۔

''بری! کہاں تھی تم؟''لفظوں کے ساتھ اسکے چہرے پر بھی پریشانی رقم تھی۔''پتا ہے سب کتنے پریشان ہو گئے تھے۔''

اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خان کی آنکھوں میں دیکھا تو ایک لمحے کو خان کا دل ڈوب سا گیا۔

''ب......بری۔''وہ اٹکتے ہوئے بولا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے دس ماہ پہلے والی بریا ایک بار پھر سے اسکے سامنے کھڑی ہو۔

''خان تمہیں پتا اسے میری ضرورت ہے۔وہ مجھے پکار رہا ہے۔میں نے خود اسکی آواز اپنے کانوں سے سنی ہے۔وہ میرا نام پکار رہا تھا۔''

بریا کی آواز میں وہی جنون تھا خان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے کیا کہے۔اثبات میں سر ہلاتا وہ اسے گاڑی کی طرف لے آیا تھا۔

......

''آپ یہاں ہو بابا کی جان، میں کب سے آپ کو ڈھونڈ رہی تھی۔''طلسہ کچن سے نکل کر لاؤنج میں آ رہی تھی جب صوفی نے اس سے کہا تھا۔

سامنے ہی بازل تہمان صوفے پر لیپ ٹاپ سنبھالے بیٹھا تھا۔صوفی کے پکارنے پر اس نے نظریں اٹھا کر طلسہ کو دیکھا جو اس طرزِ تخاطب پر سرخ پڑ چکی تھی۔بازل کا چہرہ بالکل سنجیدہ تھا مگر اسکی آنکھوں میں بھرپور شوخی کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آ رہا تھا۔طلسہ اس شوخی کو ہضم نہ کر پائی، سخت لہجے میں صوفی سے بولی۔

''بری بات صوفی! ایسے نہیں کہتے۔''

''کیوں ایسے کیوں نہیں کہتے؟'' صوفی نے اسکے جھڑکنے پر قدرے خفا ہو کر پوچھا۔ طلسہ ضبط سے بولی۔

''کیونکہ ایسی بات اچھے بچے نہیں کرتے اور آپ تو اچھی بچی ہو نا۔''

بازل تہمان بظاہر لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے ہوئے تھا مگر اسکا دھیان و کان ان دونوں کی جانب ہی تھے۔ وہ کن انکھیوں سے طلسہ کا چہرہ بھی دیکھ رہا تھا جو ضبط کے باوجود سرخ تر ہوا جاتا تھا۔ بازل تہمان کو طلسہ کی یہ حالت بہت محظوظ کر رہی تھی۔

''پھر میں آپ کو کیا بلاؤں؟'' صوفی نے معصوم سے منہ سے پوچھا تھا۔

''آپ مجھے کچھ بھی بلا لو، آپ مجھے میرے نام سے بھی بلا سکتی ہو۔'' طلسہ نے فوراً سے تجویز دی۔

''پر بڑوں کو نام سے بلانا تو بیڈ مینرز ہوتے ہیں نا۔ ماما کہتی ہیں بڑوں کو ان کے نام سے نہیں بلاتے۔'' صوفی نے جیسے رٹی رٹائی بات اس سے کہی تھی۔ کہتے ساتھ ہی صوفی نے مایوسی سے کام کرتے بازل تہمان کی جانب دیکھا تھا اسکی نظروں کے تعاقب میں طلسہ نے ایک کڑوی نگاہ اس شخص پر ڈالی اور اور دوبارہ صوفی کو دیکھنے لگی جس کی آنکھیں یکدم کسی سوچ کے تحت چمک اٹھی تھیں۔ طلسہ کچھ کہنے کیلئے منہ کھول ہی رہی تھی کہ وہ فرط جوش سے چیخ اٹھی۔

''بابی، میں آپکو بابی کہوں گی جیسے بابا میرے ہیں ویسے بابا سے بابی۔''

صوفی کا بابی لفظ سن کر بازل تہمان نے زوردار قہقہہ لگایا تھا جس سے وہاں کھڑی طلسہ بھنا کر رہ گئی۔ اپنے آپ پر بمشکل ضبط کرتے ہوئے صوفی سے بولی۔

''ٹھیک ہے آپ مجھے بابی کہنا، کم از کم یہ بابا کی جان جیسے گھٹیا لفظ سے تو بہتر ہے۔'' وہ جان پر زور دیتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ صوفی اپنی ڈول سنبھالتی لان کی جانب بھاگی تھی۔ طلسہ کی حالت سے حظ اٹھاتے بازل نے لیپ ٹاپ بند کیا اور اسکے کمرے کی سمت چل دیا۔

شہادت کی انگلی سے دروازہ ناک کر کے وہ اندر آیا تھا۔

''ہیلو! بابا کی جان کیسی ہو؟ ویسے حد کرتی ہو تم بھی۔ بندہ شوہر کا حال احوال ہی پوچھ لیتا ہے۔''

بازل کے طرز تخاطب پر اس نے اپنے اندر اٹھتے ابال کو کنٹرول کیا تھا۔

''مجھ سے حد میں رہ کر بات کرو مسٹر میں ایسی چیپ باتیں سننے کی عادی نہیں ہوں۔''

بازل اسکے ساتھ بیڈ پر آ کر بیٹھا تو طلسہ فوراً اٹھ کر صوفوں کی جانب بڑھ گئی۔

''اب تم زیادتی کر رہی ہو۔'' بازل نے خفگی سے کہا۔ ''محبت کو تم چیپ کہہ رہی ہو۔''

''مہربانی کر کے آپ یہاں سے اٹھیں گے؟'' اس نے زچ ہو کر کہا۔

''اوکے۔'' بازل وہاں سے اٹھ کر قدم قدم چلتا اسکے پاس آیا ڈرامائی وقفہ لیا۔ پھر اسکے پاس بیٹھ گیا۔

''یہ کیا حرکت ہے؟'' پیچھے ہوتے ہوئے بولی تھی۔

''تم نے ہی تو کہا تھا وہاں سے اٹھنے کو۔'' زمانے بھر کی معصومیت چہرے پر سجائے اس نے کہا۔ طلسہ کا دل کیا اسکا خون پی جائے۔

''آپ پلیز اس کمرے سے جائیں گے۔'' ضبط کرتے ہوئے تحمل سے کہا۔

''نہیں بلکہ آج میں پورا دن تمہارے ساتھ بتاؤں گا۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر اسکے بالوں کو کیچر سے آزاد کروایا تھا۔

''چلو اٹھو شاباش واک کرنے چلتے ہیں۔'' وہ اسکا ہاتھ پکڑتا اٹھا تھا۔ طلسہ نے اسکا ہاتھ جھٹکا اور صوفے پر پڑا اپنا کیچر اٹھا کر بالوں کا جوڑا بنا لیا۔

''اپنی حد میں رہو مسٹر، آئندہ میرے بالوں کو ہاتھ بھی لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' ایک بار پھر غصہ اسکے حواسوں پر چھانے لگا تھا۔

''جب تمہیں معلوم ہے کہ مجھے تمہارے کھلے بال انتہا سے زیادہ پسند ہیں تو کیوں انہیں اس میں جکڑتی ہو۔'' بازل نے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے کہا تھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر کیچر کھینچا اور دو ٹکڑے کر دیئے۔ طلسہ غصے سے دانت کچکچاتی رہ گئی۔

''اب چپ چاپ چلو ورنہ میں نے اپنی حدیں پھلانگیں تو پھر مجھے نہ کہنا۔''

''میری چپ کا غلط فائدہ مت اٹھاؤ بازل تہمان! موقع ملتے ہی میں تمہاری اس قید سے آزادی حاصل کر لوں گی۔'' آنکھوں میں آئی نمی کو پرے دھکیلتے ہوئے اس نے مضبوط آواز سے کہا تھا۔

'اوکے ول سی، اب چلیں۔'' ہوا میں بات اڑاتا وہ اسکو ہاتھ کے اشارے سے چلنے کا کہہ رہا تھا۔

⁂......⁂......⁂

وہ کمرے میں ٹہلتا ہوا مسلسل بریا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ بریا کی فیملی سے وہ لوگ کچھ ہی عرصے سے واقف تھے۔ اور اس عرصے میں دونوں فیملیز میں گہرے تعلقات استوار ہو گئے تھے

پہلی نظر میں ہی بریا کبیر کو بہت بھائی تھی۔ اسکی سادگی اور چہرے کی ویرانی تھی ہی اتنی پراثر کسی کو بھی اپنی جانب کھینچ لیتی تھی۔ اسکے چہرے پر ایک ٹھہراؤ تھا۔ آنکھوں میں ایک تاسف و ویرانی جس نے کبیر کو بری طرح چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اسکے چہرے پر پھیلے حزن کی وہ کھوج لگانا چاہتا تھا اسلئے وہ اپنی نظریں اسکے چہرے پر جمائے رکھتا تھا۔ مگر یہ نظریں بے کار گئیں۔ بریا کے گرد پھیلے سخت خول نے کبھی اسکا اپنا آپ اسکے سامنے کھلنے نہیں دیا تھا۔ بریا کے لئے دل میں موجود نرم گوشے کے سبب وہ فیصلہ کن انداز میں نائلہ کے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔ ہلکے سے ناک کر کے وہ اندر آیا تھا۔

''مام! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔''

''ہاں کہو۔'' نائلہ جی جان سے متوجہ تھیں۔

''مام! دراصل بات یہ ہے کہ......'' وہ رکا پھر ذرا توقف کے بعد بولا۔ ''موم میں چاہتا ہوں کہ آپ بریا کی فیملی سے میرے لئے بات کریں۔ اگر آپ کو اعتراض نا ہو تو۔''

یہ کہہ کر اس نے نائلہ کی طرف دیکھا تھا جن کے چہرے کا رنگ اسکی بات سے کھل اٹھا تھا۔ بے پناہ مسرت سے انہوں نے کبیر کو گلے سے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور سرشاری سے بولیں۔

''تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی، میں کب سے تم سے یہی بات کرنا چاہ رہی تھی۔''

بریا کو اپنی بہو کے روپ میں سوچ کر ہی انکے دل میں خوشی کی لہر اٹھی تھی۔

کبیر نے ممنون نظروں سے نائلہ کو دیکھا۔ مسکراتے ہوئے کہا۔

''تھینکس مام۔''

⁂......⁂......⁂

''ہاں آصف کیسا چل رہا ہے وہاں؟ سب ٹھیک ہے نا؟'' آصف کے فون اٹھاتے ہی بازل تہمان نے پوچھا تھا۔

''یس سر، سب ٹھیک ہے اور امام جہانزیب بھی اب بالکل ٹھیک ہیں۔'' دوسری طرف سے آصف نے بتایا تھا۔

بازل نے کاندھے سے فون لگایا ہوا تھا اور ساتھ ساتھ لیپ ٹاپ پر کچھ ٹائپ کرنے میں بھی مصروف تھا۔ اسی دوران ہابی سٹڈی میں آئی تھیں۔

''ہوں گڈ اور زرین، وہ ٹھیک ہے نا صہیب کے ساتھ؟ کوئی پرابلم تو نہیں ہے نا اسے۔'' بازل نے بات ختم کرتے ہوئے ہابی کو دیکھا جو کرسی سنبھال کر بیٹھ رہی تھیں۔

''نو سر بالکل بھی نہیں۔ ہمارے گارڈز چوبیس گھنٹے ان پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔'' دوسری جانب سے آصف کی آواز سنائی دی تھی۔ ہابی حیرت سے انکی باتیں سن رہی تھیں۔

''اور جو کمپنی کے بارے میں تمہیں کہا تھا کیا بنا اسکا؟'' بازل نے بائیں ہاتھ سے فون اٹھایا اور جھک کر فائل اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''جی سر، میں نے اس سلسلے میں احمد چغتائی سے بات......'' بازل نے اسکی بات درمیان میں کاٹ دی۔

''ان سے میری بات ہو چکی ہے۔ تم اپنا بتاؤ......''

''سر، جیسے ہی وہاں سے پازیٹو رسپانس ملتا ہے میں آپکو انفارم کر دوں گا۔''

''مینز کہ تمہیں ابھی ٹائم چاہیے۔'' بازل نے دوٹوک انداز میں پوچھا۔

''جی سر۔'' مدھم آواز میں کہا گیا۔

''او کے ٹیک یوئر ٹائم بٹ مجھے کام پرفیکٹ اور رسپانس پازیٹو چاہیئے۔'' اس بار اسکے لہجے میں تنبیہ تھی۔

''جی سر میں آپکو مایوس نہیں کروں گا۔'' آصف کی مودب آواز پر اس نے ''او کے'' کہہ کر فون رکھ دیا۔

''طلسہ کے گھر والوں سے کب سے کانٹیکٹ میں ہو تم؟''

ہابی کے سوال پر اس نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ اور پھر آرام سے بولا۔

''جب سے طلسہ میرے ساتھ ہے۔''

''زرین کے بارے میں کیوں اتنے سنجیدہ ہو تم؟'' ہابی تھوڑی تشویش میں تھیں۔ ہابی کی بات میں اس نے آنکھیں سکیڑ کر انہیں دیکھا۔

''وہ میری سالی ہے، میری چھوٹی بہن کی جگہ اور مجھے حق ہے اسکی حفاظت کروانے کا۔ یا شاید یہ کہہ لیں کہ مجھے خطرہ ہے جو میں نے طلسہ کے ساتھ کیا وہ کوئی اور زرین کے ساتھ نہ کردے۔ اب ہر کوئی بازل تہمان تو ہو نہیں سکتا۔ بس اسلیئے یہ سب کر رہا ہوں۔ ایک بیٹی تو وہ جیسے تیسے سہہ گئے مگر اگر دوسری کے ساتھ ایسا ہو گیا تو شاید وہ سہہ نا پائیں جو کہ میں ہرگز نہیں چاہتا۔''

بازل کی بات انہوں نے خاموشی سے سنی تھی۔

''طلسہ کو پتا ہے اس بارے میں؟''

''طلسہ کو نہ اس بارے میں کچھ پتا ہے اور نہ ہی پتا چلنا چاہیے۔''

ایک بات بازل نے ہابی کو بتائی تھی اور ایک بات سے باخبر کیا تھا۔

''ہمم......'' پرسوچ انداز میں کہا۔

✡......✡......✡

''بری! فون اٹھاؤ پلیز فون اٹھاؤ۔'' خان بار بار پریشانی سے بریا کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

بریا واش روم سے باہر آئی تو بیڈ پر پڑے اسکے سیل فون پر خان کا نمبر جگمگا رہا تھا خان کا نام دیکھ کر اسے فون اٹھانا ہی پڑا۔

''ہیلو بری، پلیز میری مدد کرو میں بہت پریشان ہوں۔'' بریا کے کال اٹھاتے ہی خان بنا سانس لیئے شروع ہو چکا تھا۔

''ریلیکس خان اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو کیا ہوا ہے؟'' بریا نے تشویش کے ساتھ استفسار کیا۔

''رابیل نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔'' بریا کے پوچھتے ہی اس نے تفکر کے ساتھ بتایا۔

'کیا مگر کیوں؟'' بریا بھی اس خبر سے پریشان ہو گئی تھی۔

''یہ تم اس سے ہی پوچھو۔ پاگل ہوگئی ہے وہ۔'' خان نے ایکدم چڑ کر غصے میں کہا۔

''اوکے اوکے ریلیکس۔'' اس نے اسے شانت کرانا چاہا۔

''بری پلیز، تم اس سے بات کرو کہ انکار نہ کرے۔'' خان نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

''مگر وہ انکار کیوں کر رہی ہے وہ تو تمہیں بہت پسند کرتی ہے۔'' بریا نے سوال کیا تھا۔ جو خان کے دل پر لگا تھا۔

''کیونکہ وہ سمجھتی ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا۔ وہ کچھ اور وقت چاہتی ہے مجھے سمجھنے کیلئے تو کیا وہ دو سال سے جھک مار رہی تھی۔'' خان نے اس بار سرد آہ بھر کر جھنجھلاتے ہوئے کہا تھا۔

''میں تمہیں کہتی تھی نا کہ مت ستایا کرو اسے۔ بہت حساس ہے وہ۔ مگر نہیں تمہیں تو مزا آتا تھا نا۔ اب لو مزے خوب جم کر۔'' بریا نے اسے جھاڑا۔

''اچھا ٹھیک ہے میرا قصور ہے پر پلیز اب ہیلپ کردو نا میری۔'' وہ یکدم التجائیہ لہجے میں بولا تو بریا نرم پڑ گئی۔

''ٹھیک ہے ٹینس مت ہو کرتی ہوں میں اس سے بات۔'' کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا اور رابیل کا نمبر ملانے لگی۔

✡......✡......✡

''بابا آپ نے پرامس کیا تھا کہ آپ ہم لوگوں کو گھمانے لے جائیں گے۔ تو پھر آپ کب ہمیں لے کر جائیں گے؟'' صوفی نے بازل تہمان کی گود میں بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

ریوالونگ چیئر پر جھولتا بازل اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں کرتے ہوئے بولا۔

''جب بابا کی جان کہے گی بابا لے جائیں گے۔''

''تو پھر ہم آج ہی چلیں؟'' صوفی نے اسکی ہاتھ کی انگلیوں سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں کیوں نہیں پر یہ تو بتاؤ ہماری جان نے جانا کہاں ہے؟'' بازل اسے اپنی انگلیوں سے کھیلتے دیکھ مسکرایا تھا۔

''اممم......'' صوفی نے سوچنے کی ایکٹنگ کی۔ بازل اس ننھی ایکٹر کی ایکٹنگ دیکھ کر جی جان سے محظوظ ہوا تھا۔

''پہلے ہم تھنگ لانگ واٹر پپٹ شو دیکھنے جائیں گے پھر

HochiminhmausoleumandHoankiemlake.

جائیں گے۔ اوکے۔'' صوفی نے ایک دم چہک کر کہا۔

''ہوں تو آپ نے پہلے سے سب ڈیسائیڈ کیا ہوا ہے۔'' بازل نے پرسوچ انداز میں پوچھا۔

''یس۔'' صوفی اسکی گردن کے گرد بازو ڈالتے ہوئے اسکے گلے سے لگ گئی۔

''صوفی آپکے سونے کے ارادے ہیں کیا؟'' بازل نے اسے یوں گلے لگتے دیکھ کر پوچھا۔ کیونکہ وہ اکثر یونہی اسکے گلے لگ کر سو جاتی تھی۔

''تھوڑی سی نیند آرہی ہے بابا۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔

''اور ابھی تو آپ کہہ رہی تھی گھومنے جانا ہے۔'' اس نے صوفی کی کمر کو سہلاتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی تو دوپہر ہے شام کو چلنا ہے نا۔'' بازل تہمان کو اسکی آواز میں غنودگی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے شال صوفی کے اوپر ڈال کر خود بھی آنکھیں موند لیں۔

اس نے جیسے ہی سلائیڈنگ ونڈو کھولی، تیز ہوا کا جھونکا اس سے ٹکرایا تھا۔ ٹھنڈی خوشگوار ہوا اسے اور بھی اداس کر گئی۔ اسکے دل کی کیفیت عجیب ہونے لگی۔ شبنم کے قطرے اسکی جھیل سی آنکھوں میں آن ٹھہرے اور اوس کی طرح اسکے گالوں پر گرنے لگے۔ کھڑکی کے اس پار اسے سرخ جھیل کا عکس سا نظر آیا تھا۔

اپنی آنکھوں میں آئی دھند کو انگلیوں کے پوروں سے صاف کرتی اداسی سے مسکرائی تھی۔ وہ جھیل اسے اپنے دل کی مانند لگی۔ وہ دل جس کا بہت عرصے پہلے خون ہوا تھا، جسکا رستہ مایا اسکے پورے جسم میں لاوا بن کر اسکی رگوں کو جلا رہا تھا۔ وہ جھیل کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں کے سامنے ماضی کے پنے کھلنے لگے۔ ماضی کی حسین یادیں جھلملانے لگی تھیں۔ جب وہ بھی اپنے پاپا کے ساتھ اسی طرح لپیٹ کر سوتی تھی جس طرح صوفی اسوقت بازل کے ساتھ سو رہی تھی۔

''پاپا! مجھے نیند آرہی ہے۔'' وہ ایک ہاتھ سے آنکھ مسلتی اور دوسرے میں سٹف ڈول پکڑتی اپنے پاپا کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ جو اپنے سامنے فائلز بکھیرے کام میں مصروف تھے۔

''اگر میری ننھی پری کو سونا ہے تو وہ ممی کے پاس جا کر سو جائے۔'' انہوں نے فائلز سے نظریں ہٹاتے ہوئے کہا تھا۔

''پر پاپا کی ننھی پری نے تو پاپا کے پاس ہی سونا ہے۔'' وہ انکی گود میں بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''پر بیٹا! پاپا کو تو بہت سارا کام کرنا ہے نا۔'' امام جہانزیب نے اسکے بال سہلاتے ہوئے کہا تھا۔ ''اور اگر آپ پاپا کے پاس سو جاؤ گے تو پاپا کو بھی نیند آجائے گی۔ تو پھر پاپا کام کیسے کریں گے۔ آپ ممی کے پاس سو جاؤ۔ ہمم۔'' انہوں نے بہت پیار سے اسے سمجھایا تھا۔

''نہیں، ممی کے پاس نہیں آپکے پاس سونا ہے۔ ط'' لسہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ضدی پن سے کہا۔

امام جہانزیب نے ہار مانتے ہوئے اسے اپنی گود میں بٹھایا اور اسکے گرد بازوؤں کا گھیرا تنگ کر لیا۔

''پتا ہے طلسہ، پاپا آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔'' ایک بہت ہی مانوس سی آواز اسکی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''میں بھی آپ سے بہت محبت کرتی ہوں پاپا۔'' آنکھوں سے بہتے سیل رواں کو اس نے ہتھیلی کی پشت سے صاف کیا تھا۔

ماضی کی ننھی طلسہ تو کب کی اپنے پاپا کے گلے لگ کر سو گئی تھی مگر حال کی طلسہ تو اب بھی جاگ رہی تھی۔ اسے بھی بہت نیند آرہی تھی۔ وہ بھی سونا چاہتی تھی لیکن اسکے پاس سونے کیلئے سکون تھا اور نہ ہی اسکے پاپا کی مضبوط بانہیں۔ آہ......

اس نے گہری سانس بھری اور بولی۔

''میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی بازل تہمان! کبھی بھی نہیں۔'' اسکی آنکھوں میں نفرت کا عکس چھایا تھا ایک بار پھر وہ اس قید سے نجات حاصل کرنے کا سوچ رہی تھی۔

۞......۞......۞

مقررہ وقت پر رابیل ریسٹورنٹ میں پہنچی تھی۔ بریا وہاں پہلے سے ہی موجود تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ رابیل نے ٹیبل کے پاس اپنا بیگ رکھا۔

"السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟"

"وعلیکم اسلام۔ میں بالکل ٹھیک۔" رسمی علیک سلیک اور لنچ آرڈر کرنے کے بعد بریا نے سنجیدہ نظروں سے اسے گھورنا شروع کیا تھا۔

"آپ کو مجھ سے کچھ بات کرنی تھی۔" بریا کی نظروں سے خائف ہوتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"ہوں۔ تم شادی سے انکار کیوں کر رہی ہو؟" کسی بھی تمہید کے بغیر اس نے ڈائریکٹ سوال کیا تھا۔ بریا کے سوال پر وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ اسکی آنکھوں میں نمی امڈ آئی تھی۔

"تم جانتی ہو تمہارے اس طرح انکار پر کتنی پرابلم ہو سکتی ہے۔ کتنے منفی اثرات پڑ سکتے ہیں تم دونوں کے رشتے پر۔"

رابیل کے آنسوں بہنے لگے تھے۔ بریا کو اس پر ترس آیا۔

"میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ میں چاہتی ہوں تمام معاملہ سوٹ آؤٹ ہو جائے۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"آپکو خان نے بھیجا ہے نا؟" رابیل نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ہاں مجھے اسی نے بھیجا ہے۔ کیونکہ وہ تمہاری پرواہ کرتا ہے۔ محبت کرتا ہے تم سے۔ اینڈ آئی مسٹ سے تم نے اسکے ساتھ بہت برا کیا۔" بریا نے بھرپور خان کی سائڈ لیتے ہوئے کہا۔

"نہیں کرتے وہ میری پرواہ اور نہیں کرتے وہ مجھ سے محبت جھوٹ بولتے ہیں۔" آنسو سے اسکا چہرہ تر ہو چکا تھا۔ بریا کو اسکی معصومیت پر بے اختیار پیار آیا۔

"اور یہ تم سے کس نے کہا؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"کسی نے بھی نہیں میں خود سے جانتی ہوں۔" رابیل نروٹھے پن سے بولی۔

"اچھا وہ کیسے؟" اس نے پانی پیتے ہوئے پوچھا۔

''وہ ہمیشہ مجھے ڈانٹتے ہیں۔''اس نے بتانا شروع کیا۔''کبھی بھی مجھ سے پیار سے بات نہیں کرتے۔میری موجودگی میں کوفت کا شکار ہو جاتے ہیں۔بے تحاشہ بے زاریت انکے چہرے پر پھیل جاتی ہے۔میرے جذبات میں نکلے آنسوؤں کو ہمیشہ مگر مچھ کے آنسو کہتے ہیں۔ان دو سالوں میں انہوں نے اعتراف محبت تو کیا اعتراف انسیت تک نہیں کیا تو میں کیسے مان لوں کہ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔''رابیل تو گویا بھری بیٹھی تھی اسکی اتنی لمبی چوڑی وضاحت پر بریا مسکرائی تھی۔

''پاگل لڑکی! تم نے کتنا غبار اپنے دل میں خان کیلئے بھر رکھا ہے۔اگر اسے پتا چل جائے نا تو خودکشی کر لے۔''

''یہ غبار نہیں حقیقت ہے انہوں نے خود تصدیق کی ہے اسکی۔''اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنسو رگڑے۔

''چلو مان لیا یہ سب سچ ہے۔اور وہ ہی قصوروار ہے تو کیا تم ان وجوہات پر اس سے شادی نہیں کرو گی؟ یہ جاننے کے باوجود کہ وہ کتنا اچھا انسان ہے۔''بریا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں نے انکار تو نہیں کیا بس کچھ وقت مانگا ہے۔''رابیل نے دھیمی آواز سے کہا۔

''اچھا تو اس وقت مانگنے کی وجہ جان سکتی ہوں میں؟''رابیل نے کچھ دیر سوچا پھر بولی۔

''مجھے جاننا ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں یا نہیں۔انکے منہ سے اعتراف سننا چاہتی ہوں۔اور میری موجودگی میں جو علامات ان پر ظاہر ہوتی ہیں انکو ختم کرنا چاہتی ہوں۔''رابیل نے بہت ٹھہر ٹھہر کر کہا تھا۔بریا اسکی بات سن کر گہرا سانس بھر کر رہ گئی پھر بولی۔

''اول تو یہ رابیل، جتنا میں خان کو جانتی ہوں وہ شادی سے پہلے کبھی اعتراف محبت نہیں کریگا۔دوسری بات جن علامات کی تم بات کر رہی ہو تو وہ جان بوجھ کر شو کرتا ہے۔شاید اس دوران تم اسکی آنکھوں میں نہیں دیکھتی ہوگی غور سے دیکھتی تو شاید جان جاتی۔''

رابیل نے اپنی آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اس پر گاڑیں۔

''اور جب تمہیں یہ یقین ہے کہ یہ سب تم شادی سے پہلے کر سکتی ہو۔تو سوچو شادی کے بعد تم اسے کتنا چینج کر سکتی ہو۔رابیل! یہ ضروری تو نہیں کہ اس سے شادی کی جائے جو ہم سے محبت کا دعویدار ہو محبت تو شادی کے

بعد بھی تو ہو سکتی ہے بلکہ وہ ہی اصل محبت ہوتی ہے۔'' بریا ممکن حد تک اسے سمجھا رہی تھی۔

''اور جب تمہیں یقین ہے کہ خان سے اعتراف کروا لوگی تو کیوں اپنے قدم پیچھے ہٹا رہی ہو۔ دیکھو رابیل، ابھی اللہ تمہیں خوشیاں دے رہا ہے تو آگے بڑھ کر انہیں سمیٹ لو۔ یہ نا ہو کہ بعد کے چکر میں کہیں پچھتاوے تمہارے حصے میں رہ جائیں۔ تب تم چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکو گی۔ سچے رشتے سچے ساتھی قسمت والوں کو ملتے ہیں۔ انہیں مضبوطی سے خود میں سمو لو ورنہ وقت کے سمندر کی ظالم لہریں انہیں تم سے بہت دور بہا لے جائیں گی۔ اتنی دور کہ تم چاہ کر بھی انکے دیدار سے فیض یاب نہیں ہو سکو گی۔ پیچھے نظر آئے گا تو صرف حالات اور پچھتاوے کا ٹھاٹھے مارتا سمندر۔'' بات کرتے کرتے وہ کھوسی گئی تھی رابیل نے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ پر رکھا اور بولی۔

''ایم سوری بری، میں اپنے اس بچگانہ فیصلے پر نادم ہوں۔ تھینک یو مجھے سمجھانے کے لئے۔ آئی پرامس میں اب اپنی اور خان کی شادی ملتوی نہیں کروں گی۔ پر آپکو مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔'' وہ یکدم کھلی تھی۔

''کیا؟'' بریا نے بھی دل کے بوجھل پن کو پرے دھکیلا۔

''آپ میری شادی کے تمام فنکشنز میں میری سائیڈ سے ہوں گی۔ میری بڑی بہن کی حیثیت سے اور شادی کی شاپنگ میں میری ہیلپ بھی کروائیں گی۔ وعدہ کریں۔'' رابیل کی اتنی محبت پر سکون اور سرشاریت کی نمی آنکھوں میں لئے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

۞......۞......۞

موڈ آف ہونے کی وجہ سے وہ ان لوگوں کے ساتھ جانا نہیں چاہ ہی تھی مگر صوفی اور شامہ کے بے حد اصرار پر اسے جانا پڑا۔ سیاہ پاجامہ فراک کے ساتھ ہمرنگ دوپٹہ شانوں پر پھیلائے بالوں کا جوڑا اور میک سے عاری چہرے کے ساتھ وہ بے پناہ حسین لگ رہی تھی۔ سیاہ رنگ میں اسکا دودھیا رنگ بہت کھل رہا تھا۔ بے دلی کے ساتھ وہ پورچ میں آئی تھی۔ اسے دیکھ کر بازل نے اسکے لئے فرنٹ ڈور کھولا تھا جسے سہولت کے ساتھ نظرانداز کرتی صوفی اور ہابی کے ساتھ بیک سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

''طلسہ تم آگے بیٹھ جاؤ۔'' شامہ نے ونڈو سے جھک کر اسے کہا تھا۔

''آئی ایم کمفرٹیبل ہیئر۔ آپ آگے بیٹھ جائیں۔ ط''لسہ نے تھوڑی نرمی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ شامہ کچھ

دیر کھڑی سوچتی رہی پھر آگے کا ڈور کھول کر بازل کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی۔ بازل، طلسہ کی بات سن چکا تھا۔ اس نے تاسف بھری نظروں سے ویو مرر سے اسے دیکھا اور پھر گاڑی چلا دی۔

دنیا اور گاڑی میں بیٹھے سب لوگوں سے بے زار وہ خالی خالی نظروں سے باہر بھاگتی دوڑتی سڑک کو دیکھ رہی تھی۔ بازل شمامہ سے گفتگو کے دوران وقفے وقفے سے اسے مرر میں دیکھ لیتا تھا۔ جو تھی تو ان لوگوں کے ساتھ لیکن اسکا دماغ کہیں اور ہی تھا۔ پندرہ منٹ کی مسافت کے بعد وہ لوگ Thang Long Water Puppet Theater پہنچے تھے۔ تھانگ لانگ پپٹ شو ہنوئی کے بیسٹ ٹوئر اٹریکشنز میں سے ایک ہے۔ یہ ھوان کم لیک کے بالکل نزدیک ہے۔ دنیا بھر سے آئے سیاح اور کہیں جائیں نہ جائیں اس تھیٹر میں ضرور جاتے ہیں جو اپنی ثقافت اور اپنی ثقافتی کہانیوں کی وجہ سے بہت مقبول ہے۔

وہ لوگ انٹیرنس پر پہنچ آئے۔ بازل گاڑی پارک کرنے گیا تھا سو ہابی ان سب لوگوں کو لے کر اندر چلی گئیں۔ یہ مارچ کا مہینہ تھا اور اس مہینے میں ٹکٹس ملنا بہت مشکل ہوتا تھا۔ کیونکہ اس مہینے میں جوق در جوق ٹیورِسٹس ہنوئی کا رخ کرتے تھے اور جو ہنوئی کا رخ کرے اور یہ شو نا دیکھے ہو ہی نہیں سکتا۔

فرسٹ رو میں بیٹھنا حماقت تھی کیونکہ اس سے ان لوگوں کے کپڑے بھیگ سکتے تھے۔ اسلئے ہابی ان لوگوں کو لے کر سیکنڈ لاسٹ رو میں بیٹھ گئیں۔ شو سٹارٹ ہونے میں ابھی دیر تھی۔ طلسہ بے دلی سے ہاتھوں کی انگلیاں پھنسائے خالی خالی نظروں سے اس سرخ پردے کو دیکھ رہی تھی۔ جس کے پیچھے انہیں انٹرٹین کرنے کا سامان موجود تھا۔ خالی دماغ سے بیٹھے ہوئے بھی اسے اپنے پیچھے کسی شناسا وجود کا احساس ہو۔ اس نے مڑ کر دیکھا بازل اسکے پیچھے سے نکل کر برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ طلسہ کے چہرے پر ناگواریت چھائی جسے بازل نے بخوبی دیکھا تھا۔

ہاؤس فل ہوتے ہی ہال میں اندھیرا چھا گیا۔ آہستہ آہستہ میوزک کی آواز گونجنے لگی۔ ڈرمز، لکڑی کی گھنٹیاں، گٹار، بانسری اور جھانجھ کی آواز فضا میں گونجنے لگی۔ نیلی روشنی پورے ہال میں پھیلی تھی۔ آہستہ آہستہ پردہ اٹھتا ہے اور دھواں پورے اس چکور سے بڑے پیمانے پر بنے پانی کے پول سے میں پھیل جاتا ہے۔ میوزیشنز کے درمیان کھڑا ایک لڑکا اپنی مقامی زبان میں کچھ بولنا شروع ہوا۔ اسکے بولنے کے ساتھ ہی

لکڑی کے بنے خوبصورت چائنیز طرز کے پپٹ باہر نکلے تھے۔ دھواں مدھم ہوا اور لڑکے کے چپ ہونے کے بعد ایک بار پھر میوزک بھرپور انداز میں بجنے لگا۔ میوزک کی آواز کے ساتھ وہ پپٹ تھرک رہے تھے۔ ایک خوبصورت دوشیزہ پپٹ اپنا ثقافتی رقص دکھاتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے پپٹ مچھلیاں پکڑتے ہیں آگ کے گولوں سے کودتے ہیں۔

میوزک شو کرتے ہیں۔ دو جوڑوں کی شادی کرتے ہیں۔ ڈریگن آتا ہے بڑی بڑی موچھوں والا ڈریگن گول گول دائروں میں پانی میں گھومتا ہے۔ لائٹس چینج ہوتی ہیں، سر بدلتے ہیں کبھی دھیمے تو کبھی تیز۔

صوفی تالیاں بجاتی بڑی خوشی سے یہ شو دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی ایک بار پھر لائٹ گل ہوئی، طلسہ ہولے سے سیٹ سے اٹھی تھی ابھی وہ آدھی اٹھی اور آدھی بیٹھی تھی کہ ایک بار پھر اسکی کلائی مضبوط گرفت میں تھی۔ نیلی لائٹ جلی تھی۔ طلسہ نے دانت کچکچاتے ہوئے واپس سیٹ سنبھالی۔ اس نے تھوڑا زور دیکر اپنی کلائی چھڑوانے کی سعی کی پر بازل کی گرفت نے اسے ناممکن بنا دیا۔ وہ تو بس سنجیدگی سے شو دیکھنے میں مگن تھا۔ طلسہ نے اپنے چھوٹے چھوٹے ناخونوں سے اسکے ہاتھ کی پشت پھر سے لہولہان کر دی۔ بازل ویسے کا ویسا مگن رہا۔ طلسہ کو شدید غصہ آنے لگا۔ اس نے اونچی اونچی آواز میں بھرپور گالیوں سے اسے نوازا تھا جو کہ شور کے باعث وہ تو کیا طلسہ خود بھی سن نہیں پائی تھی۔

پانی سے ہوا میں اڑتا ڈریگن پھر سے پانی میں گم ہوا اور لائٹ کے جلتے ہی ان پپٹس کو کنٹرول کرتے لوگ باہر نکلے تھے۔ سب نے کھڑے ہو کر تالیاں بجائیں سوائے طلسہ اور بازل کے۔

بازل نے اپنا زخمی ہاتھ الٹا کیا اور ہابی لوگوں سے مخاطب ہو۔

”آں آپ لوگ جائیں میں اور طلسہ آتے ہیں۔“

”شمامہ آنٹی! مجھے اس بڑے والے پپٹ کے ساتھ پکس بنوانی ہیں۔“ ہال میں جمع لوگوں میں سے گزرتے ہوئے صوفی نے کہا تھا۔

”ہاں کیوں نہیں۔“ شمامہ اسے حال کے باہر بنے پپٹس کے پتلوں کے پاس لے گئی۔

”ہم بھی چلتے ہیں۔“ ہابی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تھا۔ ”چلو طلسہ۔“

ہابی کے پوچھنے پر طلسہ نے بازل کو دیکھا اور دوٹوک انداز میں بولی۔

''مجھے کہیں نہیں جانا۔''

بازل کے ہاتھ میں مقید طلسہ کے ہاتھ کو دیکھ کر وہ معاملے کی گڑبڑی کو سمجھ گئی تھیں۔طلسہ کے انکار نے بات پوری طرح سے واضح کر دی۔بازل نے غصہ ضبط کیا اور اسکا ہاتھ کھینچتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں نے کہا نا مجھے تمہارے گھر نہیں جانا۔'' وہ اسکا ہاتھ جھٹکتی زور سے چیخی تھی۔

''طلسہ !بچگانی حرکتیں مت کرو لوگ متوجہ ہو رہے ہیں۔'' بازل دبی دبی آواز میں غرایا تھا۔طلسہ کے چیخنے پر اتنے سارے لوگ ان لوگوں کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔جو کہ بازل کو ناگوار گزر رہا تھا۔بے شک وہ لوگ انکی زبان نہیں سمجھ رہے تھے مگر معاملے کی نوعیت تو سمجھ رہے تھے نا۔

''میں کوئی تمہاری نوکر نہیں ہوں جو تمہاری ہر بات مانوں۔مجھے بھی ان پپٹس کی طرح مت سمجھو تم مجھے نہیں جانا اس جہنم میں تو نہیں جانا سمجھے تم۔''

''طلسہ !یہ کوئی تمیز ہے اپنے شوہر سے بات کرنے کی۔کس لہجے میں بازل سے بات کر رہی ہو تم اور یہ کوئی جگہ ہے اس طرح تماشا کری ایٹ کرنے کی۔'' ہابی سے اسکے لہجے کی کڑواہٹ برداشت نہیں ہوئی تھی۔

طلسہ کے تو سر پر لگی اور پیر پر بجھی۔

''تمیز اور تہذیب کی باتیں تو کرے گی نا آپ۔'' طلسہ کی آواز انکے لئے تلخ ہوئی بازل نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''کیونکہ آپ کے ساتھ کوئی زیادتی جو نہیں ہوئی ہے۔اگر کوئی آپکو آپکی شادی والے دن اٹھا لیتا اور زبردستی نکاح کرتا تو آپکو پتا چلتا تمیز اور تہذیب ہوتی کیا ہے۔''

پہلے ہی بازل کو غصہ آ رہا تھا طلسہ کی زبردستی کے نکاح والی بات اور ہابی کے ساتھ بدتمیزی نے اسے مزید ہوا دے دی۔اسکے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔طلسہ شیطان کے بہکاوے میں آ کر یونہی بولے جا رہی تھی۔

''مجھے تو شک ہے کہیں اپنے بھائی کی طرح آپ نے بھی تو اس طرح کی حرکتیں نہیں کیں بلکہ آپ ہی کیوں آپکے آباؤ اجداد کا یہ ورثہ رہا ہوگا اور آگے آپکی اولاد بھی یہی کرے گی۔''

''طلسہ۔'' پیمانہ چھلک پڑا بازل کے مضبوط ہاتھ کی انگلیاں اسکے چہرے پر نشان چھوڑ گئیں۔
ہابی بری طرح سٹپٹائیں۔ بازل کے اقدام پر انکی آنکھیں بھگ گئیں۔ انہوں نے حیرت و بے یقینی سے بازل کو دیکھا جو لہو رنگ آنکھیں اسکے چہرے پر گاڑے دبی آواز میں دھاڑ رہا تھا۔
''بس ایک لفظ اور نہیں۔ میں مزید ایک لفظ بھی تمہارے منہ سے سننا نہیں چاہتا۔ حد ہوتی ہے برداشت کی بھی طلسہ امام۔''
''نہیں آنا تمہیں اس جہنم میں تو اب قدم بھی مت رکھنا۔ دیکھتا ہو کتنے گھنٹے گزار پاتی ہو اس گھر کے بنا۔''
اشتعال کی بھٹی میں جلتے ہوئے کہہ کر وہ ہابی کا ہاتھ تھامے وہاں سے چلا گیا تھا۔
بازل تہمان کے اس اقدام نے طلسہ کا دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ وہ بے یقینی سے اپنے گال پر ہاتھ رکھے آنسو بہاتی ان لوگوں کو خود سے دور جاتا دیکھ رہی تھی۔ ہتک و توہین کا احساس ایک دم اسکے گرد لپٹ گیا۔ اسکی ٹھوڑی بری طرح لرزنے لگی۔ تیز تیز سانس لیتی وہ خود پر قابو پانے کی سعی کر رہی تھی۔ لب کچلتی ہچکیوں زدہ کانپتا وجود لئے وہ ہال سے باہر آئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اسے آسمان سے اٹھا کر زمین پر پٹخا ہو۔ ایک منٹ میں اسے اسکی اوقات یاد دلا دی گئی تھی۔ بازل تہمان نے بھرے بازار میں اس پر ہاتھ اٹھا کر ثابت کر دیا تھا کہ اسکے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے وہ بالکل بے یار و مددگار ہے۔
سڑک پر آتے وہ انجانی سمت میں چل پڑی تھی۔ بے دردی سے آنسو رگڑتی سوچ رہی تھی۔
''میں نہیں روؤں گی میں کیوں اس شخص کیلئے روؤں جو میرے لئے معنی ہی نہیں رکھتا۔'' اس نے لیک سائیڈ سے باہر جاتے ہوئے سوچا۔
''مجھے تمہاری حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی تمہارے سو کالڈ گھر کی۔''
دونوں طرف زرد و سرخ لائٹوں سجے درختوں والی سڑک پر وہ تنہا چلے جا رہی تھی۔
''تھپڑ مار کر تم نے میری توہین کی ہے اسکا بدلہ میں تم سے ضرور لوں گی۔'' طلسہ کا شفعون کا دوپٹہ تیز ہوا کے سبب اڑنے لگا تھا۔ وہ سڑک کی سائیڈ پر بنے بینچز میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔
ہولے ہولے وقت سرکنے لگا۔ آسمان پر چمکتے چاند ستارے گدلے بادلوں کی اوٹ میں چھپے موسم کو بدل

رہے تھے۔وقت سرکتا گیا۔لمحے بیتتے گئے۔گزرتا وقت اسکے غصے کو رفع کر کے رنج وملول اس پر طاری کر رہا تھا۔ جو بھی تھا اسے بازل کی اس حرکت پر بہت افسوس ہوا تھا وہ بالکل بھی بازل سے اس چیز کی امید نہیں کر رہی تھی۔

''ہیلو لیڈی! کوئی پرابلم ہے۔''ایک ایجڈ آدمی نے اچانک سے اسکی کلائی تھام کر اسے چونکا کر سوچوں کے گرداب سے نکال دیا تھا۔

طلسہ نے ہراساں نظروں سے اسے دیکھا جو کمینی نظروں سے اسے دیکھ کر اپنے ہاتھ میں پکڑی اسکی کلائی کو انگلیوں کے پوروں سے مسل رہا تھا۔طلسہ کو اچانک اس سے کراہیت ہوئی۔اس نے اپنا ہاتھ جھٹکے سے چھڑوایا تھا۔

''بے بی اتنی بھی روڈ مت ہو۔''خباثت سے وہ اسکی جانب بڑھنے لگا تھا۔طلسہ فوراً وہاں سے اٹھی اور اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیا۔

ڈر،خوف،کپکپی اس پر طاری ہونے لگی تھی۔وہ طلسہ جو پر اعتماد بہادر اور کسی سے نہ ڈرنے والی تھی آج خوف کے حقیقی معنی سے روشناس ہوئی تھی۔اسے آج پتا چلا تھا بے امان ہونا کیا ہوتا ہے۔جس گھر کو وہ جہنم کہہ کر اس میں نہ جانے کا فیصلہ کر چکی تھی وہ اسکے لئے کیا اہمیت رکھتا تھا۔اور جس شخص کو اس نے ہمیشہ ذلیل وخوار کر کے دھتکارا تھا وہ کیسا سایہ دار درخت تھا اسکے لئے۔جس نے ہمیشہ اسے عزت وامان کے ساتھ رکھا۔زمانے کی ہر سرد وگرم سے بچایا۔بازل تہمان اسکی عزت وآبرو کا محافظ تھا اس بات کا اندازہ اسے آج ہوا تھا۔اور اس احساس کے ساتھ ہی اسے اپنی تمام گھٹیا گفتگو یاد آنے لگی۔وہ کیا کیا بول گئی تھی اس بات کا احساس اسے اب ہو رہا تھا۔ شرمندگی،ندامت،دکھ اس پر گھڑوں پانی گرا تھا۔

بادل بری طرح سے گرجنے لگے اور آج وہ گرجنے کے ساتھ برسنے کا بھی ارادہ رکھتے تھے۔ہوا تو ویسے ہی جھوم جھوم جا رہی تھی۔احساس ندامت کے سبب اسکا برا حال تھا۔بے سمت پاگلوں کی طرح بھاگتی وہ بازل تہمان کو یاد کر رہی تھی۔وہ اسے بلانا چاہتی تھی،وہ اس جہنم میں واپس جانا چاہتی تھی۔خود فراموشی کے عالم میں بھاگتے ہوئے یکدم اسکا ہاتھ کسی کی گرفت میں آیا تھا۔طلسہ کا حلق خشک ہوا۔ہاتھوں کے راستے اس نے پکڑنے والے کو دیکھا اور اگلے ہی پل وہ ہوش وحواس سے بیگانہ ہو گئی۔

......✿......✿

سدا یہ سنتے آئے ہیں

کبھی بوجھل اگر دل ہو

تو تھوڑا رو لیا جائے

بہا کر اشک تھوڑے سے

سکوں سے سو لیا جائے

مگر ایسا بھی ہوتا ہے

کہ دل بوجھل ہو کچھ ایسے

یوں جیسے بند مٹھی میں

تو پھر شب بھر کے رونے سے

نہیں تکیے بھگونے سے

نہ آنچل ریشمی

خود اپنے اشکوں میں ڈبونے سے

یہ دل ہلکا نہیں ہوتا

رات کا جانے کونسا پہر تھا جب بریا کی آنکھ کھل گئی۔ نیند اسکی آنکھوں کو خدا حافظ کہہ گئی تھی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ وہ چھت پر یونہی نظریں مرکوز کیئے خالی ذہن سے لیٹی رہی پھر وہ شال شانوں کے گرد پھیلائے اٹھی اور بالکونی میں آ کر کھڑی ہوگئی۔ آدھی دنیا ابھی بھی جاگی ہوئی تھی۔ زندگی ابھی بھی سڑکوں پر رواں دواں تھی۔ دور گھروں میں جلتی لائٹس ٹمٹماتے ستاروں کی مانند لگ رہی تھی اسکی نظریں مرئی نقطے پر ٹک گئی۔

اچانک تمام منظر بدل گیا۔ اندھیرے کی جگہ چمچماتی سردیوں کی مسحور کن دھوپ نے لے لی۔ جگہ بدل گئی، شہر بدل گیا، گھر بدل گیا۔ نہیں بدلی تھی تو صرف وہ۔

"ہمم......تو اس شہر کی خوبصورت دھوپ سے لطف اندوز ہوا جا رہا ہے۔" کسی نے اسکے پیچھے آ کر کان میں سرگوشی کی تھی۔ اس نے چونک کر مڑتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ مسکراتا ہوا اسکے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

”ویسے یہ معجزہ آج ہوا ہے یا کچھ دن پہلے۔“اس نے اسکے جھکے ہوئے سر اور آنکھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔کبھی کبھی تو وہ اسکے اچھے موڈ اور مسکراہٹ سے نوازی جاتی تھی ورنہ اسکے پاس وقت ہی کہاں ہوتا تھا اس طرح کی نوازش کا۔

”آپ کے پاس وقت ہو تو پتا چلے نا۔“زبان کی نوک پر شکوہ آیا۔

وہ کھلکھلا اٹھا۔اٹھ کر کھڑا ہوا اور بالکل اسکے مقابل آتے ہوئے جھک کر گویا ہوا۔

”یہ تو تہمت ہے آپ جانتی ہیں اگر اجازت دیں تو میرے پاس آپ کے لئے فرصت ہی فرصت ہے۔“

وہ یکدم پیچھے ہوئی اور انگلی اٹھاتے ہوئے بولی۔

”ڈسٹنس۔“

اسکی آنکھیں مصنوعی حیرت سے پھیلیں۔

”عجیب انسان ہو۔خود کہتی ہو وقت نہیں وقت دیتا ہوں تو کہتی ہو ڈسٹنس یہ تو کھلا تضاد نہیں۔“

اسکے انداز پر وہ خود کو مسکرانے سے روک نہ پائی تھی۔مسکراہٹ چھپاتے ہوئے وہ جانے لگی تھی جب اس نے پیچھے سے اسے اسکے نام سے پکارا۔وہ مڑی اور ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے بولی۔

”مجھے میرے نام سے مت بلایا کرو مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا جب تم بار بار میرا نام لیتے ہو۔“

وہ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھنے لگا پھر پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بولا۔

”وہ دن کبھی نہیں آئے گا مسز بازل تہمان جب میں تمہیں تمہارے نام سے بلانا چھوڑ دوں گا۔“

موتی اشکوں کی صورت اسکی آنکھوں سے بہے تھے۔مسحور کن دھوپ کی جگہ پھر سے اندھیرے نے لے لی تھی۔وہ حسین پل پھر سے یاد کی گود میں سو گئے تھے۔اس نے آسمان کی جانب نظریں اٹھائیں۔

”تمہاری جانب میرے کتنے ادھار ہیں بازل تہمان کس کس کا حساب دو گے؟“

❁......❁......❁

اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں تو ایک پل کو جیسے سارا کمرہ اسکے سامنے گھومتے ہوا محسوس ہوا۔اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر کے خود کو سنبھالا اور پھر آنکھیں کھول کر بیڈ پر لگے شیشے میں خود کو دیکھنے لگی سوچ ہوئے

چہرے پر بازل کے انگلیوں کے نشان اسے ندامت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل گئے۔ بازل کا تھپڑ یاد آتے ہی اسکی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ فریش ہو کر اس نے بال کھلے ہی چھوڑ دیئے تاکہ اسکا چہرہ چھپ سکے۔ وہ ابھی بیڈ پر آ کر بیٹھی ہی تھی کہ دروازہ ناک کر کے ہابی اندر آئی تھیں۔

شرمندگی کے سبب اسکا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔

''کیسی ہو؟'' ہابی اسکی گری پلکوں کی باڑ کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

طلسہ کہنا چاہتی تھی ٹھیک پر گرتے آنسو اور گلے میں اٹکتے گولے نے ایسا کرنے نہ دیا۔

''طلسہ۔'' ہابی نے اسکے سر پر ہاتھ پھیرا۔ یہاں پر طلسہ کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ ہابی کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''بس بیٹا چپ۔'' ہابی نے اسکی کمر سہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''ایم رئیلی سوری ہابی، میں نے آپ سے جو بھی کہا آئی سوئیر میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ مجھے تو غصے میں پتا ہی نہ چلا کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ بلیومی میں بہت شرمندہ ہوں آپ سب سے پلیز مجھے معاف کر دیں۔'' وہ مسلسل روتے ہوئے بول رہی تھی۔ ہابی کے دل میں جو میل وشکوہ اسکے لئے آیا تھا اسی وقت ختم ہو گیا۔ وہ اسکے آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

''اٹس اوکے طلسہ، میں نے پہلے بھی کہا تھا اب دوبارہ کہہ رہی ہوں۔ بازل نے تمہارے ساتھ نکاح کر کے غلط نہیں کیا لیکن اسکے لئے اس نے جو طریقہ اپنایا تھا وہ غلط تھا لیکن وہ برا انسان نہیں ہے۔ وہ تو رشتوں اور لوگوں کی عزت کرنے والا انسان ہے۔ یہ اسکی پہلی اور آخری غلطی تھی۔ پلیز تم بھی اسکے لئے اسے معاف کر دو اور اپنی آگے کی زندگی کے بارے میں سوچو۔'' ہابی اسکے شانوں کے گرد بازو پھیلا کر سمجھا رہی تھیں۔

''غصہ ہر ایک کو آتا ہے لیکن غصے میں بے قابو ہو کر بغیر سوچے سمجھے بول دینا یہ غلط بات ہے۔ وہ جتنا مرضی اچھا صحیح پر ہے تو ایک مردنا، بے زار ہوتے دل بدلتے ایک پل لگتا ہے اور اب میں نہیں چاہتی کہ تم ہم لوگوں سے دور جاؤ۔ مجھے شرمندگی ہے بازل کے اس فعل سے۔ میں کہوں گی اس سے تم سے آ کر ایکسکیوز کرے گا۔ تم دونوں ایک دوسرے سے دل صاف کر لو طلسہ کیونکہ یہ خلش ہمیشہ فاصلے اور ندامت لاتی ہے۔ اللہ کی مرضی سے اگر تم

بازل کی بیوی کی حیثیت اختیار کر گئی ہو تو پلیز اس رشتے کو نبھاؤ ورنہ سوائے دکھ کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔کم از کم تم کوشش تو کر سکتی ہو نا تم سمجھ رہی ہو نا میری بات۔"

ہابی کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا انہوں نے سرشاری سے اسکے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"میں بازل کو کہوں گی تم سے آ کر ایکسکیوز کرے گا۔"

✡......✡......✡

رابیل کی شادی مہینے کے آخر میں طے ہونا پائی تھی اور جیسے جیسے شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔وہ بریا کو لے کر پورا پورا دن شاپنگ مال میں گزار دیتی تھی اور بریا چاہ کر بھی انکار نہیں کر پا رہی تھی۔نائلہ چاہتی تھیں کہ کبیر کی شادی بھی رابیل کے ساتھ ہی ہو جائے لیکن کبیر نے فی الحال منع کر دیا تھا۔کچھ بھی فیصلہ لینے سے پہلے وہ بریا سے ایک بار بات کرنا چاہتا تھا۔اور اسلئے وہ آج اسکے آفس آیا تھا۔

"السلام علیکم۔" اندر آتے ہی کبیر نے سلامتی دی۔

"وعلیکم السلام۔بیٹھیں پلیز اور کیا منگواؤں آپ کے لئے چائے یا کافی؟"

"نہیں کچھ بھی نہیں۔مجھے بس آپ سے بات کرنی تھی اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو۔" کبیر نے ڈائریکٹ موضوع پر آنا مناسب سمجھا تھا۔بریا نے ہولے سے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"بری پلیز، آپ میری بات تحمل سے سننا اور کچھ بھی ری ایکٹ کرنے سے پہلے میرے لفظوں پر غور ضرور کر لینا۔"

بریا اسی وقت سے بھاگ رہی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ کبیر کے جذبات ہرٹ ہوں۔

"جی بولیں۔" خود کو مضبوط کیئے اس نے اجازت دی۔

"میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔اور اس بارے میں مما نے آپکے پیرنٹس سے بات کی ہے لیکن مجھے آپکی رضامندی چاہیئے۔باقاعدہ پرپوزل آپکی ہاں کے بعد ہی بھیجنا چاہتا ہوں۔" کبیر نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا تھا۔

"مم۔میرے پیرنٹس نے کیا کہا اس بارے میں۔" اسکی زبان لڑکھڑا گئی۔اس نے تو سوچا تھا کہ اگر ایسی

کوئی بات ہوئی تو وہ کبیر کے پوچھنے پر فوراً سے منع کر دے گی لیکن نائلہ آنٹی کا اسکے پیرنٹس سے بات کرنے کا سن کر گویا سکتے کی کیفیت میں بمشکل پوچھ پائی۔

''ان کی طرف سے تو ہاں ہے بس آپ کے ہاں کا انتظار ہے۔'' کبیر اسکے سفید پڑتے چہرے کو دیکھ کر تشویش میں بولا۔

دھڑ دھڑ بہت سے آنسو اسکی آنکھوں سے بہتے اسکے چہرے کو بھگو گئے۔آنکھوں میں حیرت بے یقینی و بے بسی لئے وہ کبیر کو دیکھ رہی تھی۔اسکے پیرنٹس اسکے ساتھ ایسا ظلم کیسے کر سکتے تھے جب کہ وہ لوگ حقیقت سے واقف تھے۔

''آر یو اوکے۔'' اسکی حالت سے گھبرا کر کبیر نے پوچھا تو وہ دکھی دل کے ساتھ پھیکا سا مسکرائی تھی۔

''میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔'' مسکراہٹ کو معدوم کر کے خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''مگر کیوں؟'' کبیر نے اسکی آنکھوں میں پھیلے درد کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں آپکو وجہ بتانا مناسب نہیں سمجھتی۔'' چند ہی لمحوں میں وہ خود کو کمپوز کر چکی تھی۔دوٹوک لہجے میں کہا۔

''ریجیکشن بہت بڑی چیز ہوتی ہے مس بریا اور اسکا احساس صرف اسے ہی ہوتا ہے جو اس مرحلے سے گزر رہا ہوتا ہے۔اور غالبا میں اس وقت وہی شخص ہوں۔کم از کم اپنے ریجیکٹ کئے جانے کی وجہ جاننا تو میرا حق ہے۔'' اس نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

''میرا نہیں خیال کہ اس دنیا میں کوئی ایسا شخص ہوگا جو ریجیکشن سے نہ گزرا ہو۔'' اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

''میں آج تک آپ کو نہیں سمجھ سکا۔آپکے آنکھوں کی ویرانی اور چہرے پر پھیلے درد نے ہی مجھے آپکی طرف مائل کیا ہے ورنہ میرے نزدیک محبت تو شادی کے بعد ہوتی ہے اور حقیقی جذبات بھی وہی ہوتے ہیں۔'' وہ حیرت سے اسکے نارمل چہرے کو دیکھ رہا تھا جو چند منٹ پہلے شدید کرب میں مبتلا تھا اس نے کھل کر اپنے دل کی بات کہی۔

''آپکی بات سے میں بھی متفق ہوں۔'' اس نے اسکی بات سے اتفاق کیا۔''لیکن فی الحال میں وہ لڑکی نہیں ہوں جو آپکی محبت کی حقدار ہے۔''

''مگر کیوں مجھ میں ایسی کیا کمی ہے؟'' کبیر کے باقی لفظ بریا نے درمیان میں اچک لئے۔

''آپ میں کوئی کمی نہیں ہے کبیر، آپ بہت اچھے انسان ہو مگر میں آپکے نصیب میں نہیں ہوں وہ کوئی اور ہی ہے جسے اللہ پاک نے آپ کے لئے مخصوص کیا ہوا ہے۔'' اس نے نرمی سے کہا تھا۔

''اور ہوسکتا ہے وہ مخصوص ہستی آپ ہی ہوں۔'' اس نے پراعتماد انداز میں کہا۔

اسکی بات پر وہ مسکرائی تھی پھر فیصلہ کن انداز میں دیکھ کر اس نے تمام پوشیدہ باتیں اسے بتا دیں جس کا ادراک ہونے پر کبیر بے پناہ حیرت میں مبتلا ہونے کے ساتھ ساتھ متاسف بھی ہوا تھا۔

''میں بے شک بازل تہمان کی زندگی میں نہیں ہوں لیکن وہ زندگی ہیں میری۔'' بریا کی آنکھوں میں اسکے ذکر پر بے پناہ محبت، کرب، بے بسی اور ساتھ ہی غرور امڈ آیا تھا۔

''میری بازل تہمان کے ساتھ وابستگی سوائے اللہ کے دنیا کی کوئی طاقت حتیٰ کے میری سانسیں بھی نہیں توڑ سکتیں۔ اس دنیا میں وہ میرا نہ ہوسکا تو کیا ہوا آخرت میں وہ صرف میرا ہوگا۔''

کبیر رشک بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''خوش نصیب ہے وہ شخص جو تمہیں اپنے حصے میں لکھوا آیا ہے اور اتنا ہی بدنصیب کہ تم اسکے ساتھ نہیں۔''

کبیر کے بدنصیب لفظ پر بریا نے ناگواری سے اسے دیکھا اور کہا۔

''بازل تہمان اس دنیا کا خوش قسمت انسان ہے اور اللہ کرے اسکی خوش قسمتی ہمیشہ قائم رہے۔'' بریا ابھی بھی اسکا دفاع کر رہی تھی اسکے اتنا کچھ کرنے کے باوجود وہ اسکا ساتھ دے رہی تھی۔ کبیر کو وہ واقعی خوش قسمت لگا۔

''آئی ریسپیکٹ یوئر فیلنگز ڈونٹ وری اب میری طرف سے آپکو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔''

بریا نے اسکے کہنے پر ممنون نظروں سے اسے دیکھا اور اسکے ساتھ ہی کھڑی ہوگئی۔

''تھینکس آلاٹ کبیر۔'' اس نے تہہ دل سے شکریہ کیا۔

وہ گلاس ڈور کی جانب بڑھا اور ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر مڑا۔

''میں دعا کروں گا بازل تہمان صرف آخرت میں ہی نہیں اس دنیا میں بھی آپکا ہو جائے وہ بھی بلا شرکت

غیرے۔“

کبیر کی بات پر وہ تشکرانہ انداز میں مسکرائی تھی۔

”اور ہاں بریا، ہم دوست تو رہیں گے ناں؟“

کبیر کے پوچھنے پر اس نے خوش دلی سے اثبات میں سر ہلایا تو وہ اللہ حافظ کہتا وہاں سے چلا گیا۔

✡......✡......✡

ہابی سے جذبات کی رو میں بہہ کر اس نے بازل کے ساتھ معاملہ سوٹ آؤٹ کرنے کا کہہ تو دیا تھا لیکن اسکا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اسکے آگے گھٹنے ٹیک دے گی۔ نہیں ہر گز نہیں ہاں وہ شرمندہ تھی۔ بازل کے ساتھ برے رویے پر صوفی سے، ہابی سے، وہ سب سے شرمندہ تھی اور اسی شرمندگی کے زیر اثر وہ کچن میں غائب دماغی کے عالم میں کھڑی تھی۔ اس نے اپنی کلائی کی جانب دیکھا۔ آنسو پھر اسکے نین کٹوروں میں بھرنے لگے۔

وہ بھی تو اسکے ہاتھ کو تھامتا تھا۔ کتنا فرق تھا نا اسکے لمس میں اور اس آدمی کے لمس میں۔

بازل نے جب جب اسکا ہاتھ تھاما تھا تب تب طلسہ کو اس میں پاکیزگی، عزت واحترام گریز نرماہٹ ومحبت محسوس ہوتی تھی۔ بھلے گرفت مضبوط ہوتی تھی مگر اس مضبوطی میں بھی ایک پیار بھرا دھونس ہوتا تھا۔ ایک ڈر وخوف ہوتا تھا اسکے چلے جانے کا اسکے چھوڑ دینے کا وہ گرفت بھی اسے کھو نا دینے کے لئے ہوتی تھی۔

جبکہ اس اجنبی آدمی کی گرفت میں اسکے لمس میں کتنی غلاظت وہوس تھی اسکی گرفت میں طلسہ کو اپنا ہاتھ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے گناہوں کی بھٹی میں خود کو دھکیل دیا ہو۔ اسکی آنکھوں سے آنسو بہے تو آج ثابت ہوا بازل تہمان سے واقعی اسکا پاکیزہ رشتہ تھا جس سے وہ منہ نہیں موڑ سکتی تھی۔ دل میں موجود بازل تہمان کی نفرتوں کے بادل چھٹے تو دل کی دنیا کا آسمان صاف وشفاف نظر آنے لگا۔ اور اس شفافیت اور خالی پن میں اسکا سانس گھٹنے لگا تھا۔

لب کاٹتی وہ فلیم کے سامنے کھڑی تھی۔ دودھ کے ابلنے پر اس نے ہڑبڑا کر پتیلے کو دیکھا اور گلوز پہن کر اتارنے کی بجائے ہاتھ سے ہی اتارنے کی کوشش کی اور پھر جو ہوا شاید نہیں ہونا چاہئے تھا۔

ابھی ابھی آفس سے آیا بازل کوٹ اتار کر صوفے پر بیٹھا تھا گردن کو دائیں بائیں ہلا کر وہ موبائل پر مصروف

ہو گیا تھا۔ابھی وہ ایک میل چیک کر ہی رہا تھا کہ طلسہ کی دلخراش چیخ پر وہ موبائل صوفے پر اچھالتا کچن کی سمت بھاگا تھا۔

کچن کا ہولناک منظر اسکا دل دہلانے کیلئے کافی تھا۔سارے فلور پر ابلتا ہوا دودھ گرا تھا اور سائیڈ پر گری طلسہ اپنا کہنی تک جلا ہاتھ لئے آنسو بہاتی بیٹھی تھی۔اسکا پاجامہ بھی دودھ میں ڈوبا اسکے پاؤں سے چپکا ہوا تھا۔ بازل کو اندازہ لگانے میں قطعی دشواری نہیں ہوئی کہ اسکا پاؤں بھی بری طرح جل چکا ہے۔

''طلسہ!'' وہ اسکا نام پکارتا بے اختیار اسکی سمت بڑھا تھا۔ہابی اور شامہ بھی کچن کا منظر دیکھ کر گھبرا گئیں۔

بازل فوراً ہی طلسہ کو اٹھاتا اسکے روم میں لایا تھا اور پیچھے آتی ہابی کو بولا۔

''ہابی! آپ اسکے کپڑے چینج کروائیں جلدی۔''

ہابی سے کہتے ہی وہ کمرے سے باہر نکل آیا اور ڈاکٹر کو کال ملانے لگا۔کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر ڈریسنگ کا سامان لئے وہاں نرس کے ساتھ پہنچ گیا تھا۔

طلسہ کو روتا دیکھ کر صوفی بھی چیخیں مار مار کر رونے لگی تھی۔

''ہابی! آپ صوفی کو سنبھالیں میں ہوں طلسہ کے پاس۔''

شامہ سے صوفی چپ نہیں ہو رہی تھی تبھی اس نے ہابی کو کہا تھا۔ہابی نہ چاہتے ہوئے بھی اسے لے کر کمرے سے باہر چلی گئی تھیں۔

بازل بیڈ پر طلسہ کے ساتھ بیٹھا اور اسے شانوں سے تھام کر اسکے پاؤں نیچے لٹکائے تھے۔

اسکے ہاتھ اور پاؤں پر آبلے پڑ گئے تھے جنہیں واش کرنے کیلئے ڈاکٹر نے پہلے اسے انجیکشن لگایا اور پھر احتیاط سے اسکا پاؤں فلور پر رکھے ٹب میں رکھ دیا۔ڈاکٹر نے جیسے ہی اسکے پاؤں سے آبلوں کو واش کرنا شروع کیا طلسہ کی دل چیر چیخیں پورے تہمان ولا میں گونج اٹھیں۔طلسہ نے اپنا منہ بازل تہمان کے سینے میں چھپا لیا تھا۔ایک ہاتھ سے اسکی شرٹ مضبوطی سے پکڑ کر وہ بچوں کی طرح دھاڑے مار مار کر رو رہی تھی۔

بازل تہمان بہت ضبط کئے مضبوطی سے اسکا شانہ تھامے بیٹھا تھا۔طلسہ کا درد اسکے لئے ناقابل برداشت تھا۔لیکن وہ دانت آپس میں جمائے اسکے پاؤں سے نکلتے خون کو دیکھ رہا تھا۔ڈاکٹر نے پاؤں پر ڈریسنگ کی اور

اسکا ہاتھ واش کرنا شروع کیا لیکن تب تک طلسہ پر انجیکشن کا اثر ہو چکا تھا۔اسکی سسکیاں کم ہو چکی تھیں۔وہ نیم بے ہوش ہو گئی تھی۔بازل کی شرٹ پر اسکی گرفت ڈھیلی ہوئی اور وہ غنودگی میں چلی گئی۔

ڈاکٹر میڈیسن اور زخموں کے لئے خاص ہدایت دیتا چلا گیا تھا۔سینڈی ڈاکٹر کو چھوڑنے گئی تھی۔طلسہ کی سانسوں کی سرگوشیوں سے وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ کتنی تکلیف میں ہے۔سوتے ہوئے اسکے چہرے پر درد کے اثرات واضح طور پر رقم تھے۔بازل نے آرام سے اسے خود سے الگ کیا اور بیڈ پر لٹا کر اسکا کمبل درست کرتے ہوئے اسکے سر پر ہاتھ پھیرتا باہر آیا تھا۔

نیچے سے صوفی کے رونے کی آوازیں اب بھی آرہی تھیں۔وہ سیڑھیاں اترتا ہابی کے روم میں ناک کرتا آیا تھا۔طلسہ کے آنسو کے سبب اسکی وائٹ شرٹ تقریباً ساری گیلی ہو چکی تھی۔وہ ڈھیلا ڈھالا چلتا صوفی کے پاس آکر بیٹھا اور اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔

"بابا کی جان کیوں رو رہی ہے؟" اسکے آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے نرمی سے پوچھا۔

"بابی پین میں ہیں نا اسلئے۔" اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"ہمم،تو یعنی بابی پین میں ہوں گی تو آپ روؤ گی؟" بازل کے پوچھنے پر صوفی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور اس سے کیا ہوگا۔" بازل کے پوچھنے پر اس نے اپنی ریڈش براؤن آنکھیں اسکی سرخ آنکھوں میں گاڑیں۔

"کیا ہوگا بابا؟"

"اگر بابی پین میں ہوں گی اور آپ روؤ گی تو بابی کو اور زیادہ پین ہوگا۔پھر آپ کیا کرو گی؟"

بازل کے پوچھنے پر صوفی نے اپنے ننھے ہاتھ کی پشت سے گرتے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"میرے رونے سے بابی کو پین ہوگا؟" اس نے ہچکی بھرتے ہوئے پوچھا۔

"بہت زیادہ۔" اس نے دھیمے سے کہا۔

"ٹھیک ہے بابا میں اب نہیں روؤں گی۔" اس نے دونوں آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا۔بازل نے مسکرا کر اسے بوسہ دیا اور اسے شامہ کی گود میں بٹھا دیا۔

''ایک منٹ بازل، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' وہ جانے لگا تھا جب شمامہ نے اسے روک دیا۔
''ہمم بولو۔'' بازل نے مڑ کر اسے دیکھا۔
''بازل! میں اور ہابی چاہ رہے تھے کہ اگر تم طلسہ کو ہاسپٹل ایڈمٹ کر دو تو زیادہ اچھے سے اسکا ٹریٹمنٹ ہو جائے گا۔ تم کیا کہتے ہو؟''
سجیشن دینے کے ساتھ ہی اس نے بازل سے سوال بھی کیا تھا جس سے وہ بالکل متفق نہیں تھا۔
''میرے خیال میں طلسہ کا ٹریٹمنٹ گھر میں زیادہ اچھے سے ہو سکتا ہے۔ رہی بات سرجری کی تب کی تب دیکھی جائے گی۔ فی الحال وہ گھر میں ہی رہے گی۔''
''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔''
اس نے ابھی دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ ہابی نے اسے پیچھے سے پکار لیا۔
''بازل! سب کچھ انشاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ پلیز زیادہ سٹریس مت لینا۔''
ہابی کی بات کو بنا مڑے ہی سن کر وہ اثبات میں سر کو جنبش دے کر وہاں سے چلا گیا۔

✡......✡......✡

کبیر نے بریا سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ اور یہ انکار نائلہ کے دل پر گراں بن کر گزرا تھا۔ کیونکہ وہ بریا کو دل و جان سے اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں کبیر کے انکار نے انہیں دکھی کر دیا۔ بریا سے انکار پر اس نے رامیہ کا نام نائلہ کو دیا تھا۔ رامیہ اسکے ڈیڈ کے دوست کی بیٹی اور اسکے بچپن کی دوست تھی۔ پہلے تو اسکے پیرنٹس حیران ہوئے پھر ان دونوں کی منگنی کر دی۔ رامیہ بھی اس فیصلے سے بہت خوش تھی۔ کبیر کے ساتھ زندگی گزارنا ایک سہانے خواب جیسا لگ رہا تھا اسے۔
جبکہ کبیر کے اس فیصلے پر بریا کے بند ہوتے راستے پھر سے کھل گئے تھے۔ اس نے بریا کی بات کی لاج رکھی تھی اور اپنا وعدہ نبھایا تھا۔ بریا اس سب کے لئے کبیر کی بہت مشکور تھی۔ اس نے کبیر کے لئے اپنے دل میں پنپتے تمام منفی خیالات صاف کر دیئے تھے۔ اور انکی جگہ اب عزت و احترام نے لے لی تھی۔
دن کا سورج ڈھل چکا تھا اور شام کے سائے ہر سو لہرا رہے تھے۔ وہ بازل تہمان کے ساتھ بہت دور تک

چلے جا رہی تھی کہ اچانک کسی آواز سے اسکی آنکھ کھل گئی۔اس نے شدید ناگواری سے اپنا خواب ٹوٹ جانے والے سبب کی جانب دیکھا۔

اسکا سیل فون اندھیرے کمرے میں چمک رہا تھا۔اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھایا خان کا نام سکرین پر روشن تھا۔پہلے تو اس نے سوچا کاٹ دے مگر پھر اس نے کال اٹینڈ کرلی۔

''بری کہاں ہو تم یار؟ آج ہم دونوں کی مہندی ہے اور تم ہو کہ اب تک نہیں پہنچی۔'' خان نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

یکدم سے بریا نے لائٹ آن کی اور شرمندگی سے بولی۔

''ایم سوری خان، میں بس ابھی پہنچتی ہوں۔''

''ماما پاپا آگئے ہیں؟'' کسی خیال کے تحت اس نے پوچھا تھا۔

''جی محترمہ وہ تو کب سے آگئے ہیں۔ میں نے تمہارے بارے میں پوچھا تو مجھے بہت مایوسی ہوئی۔رابیل بھی منہ پھلائے بیٹھی ہے۔''

خان کے کہنے پر وہ مزید شرمندہ ہوگئی۔

''ایم سوری اگین میں بس ابھی آتی ہوں۔''

وہ فوراً کمبل ہٹاتی اٹھی تھی۔

❁......❁......❁

رات کا تقریباً دو اڑھائی کا وقت تھا جب درد کی شدت سے اسکی آنکھ کھلی تھی۔ہاتھ پاؤں میں شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی تلوار سے اسے کاٹ رہا ہو۔اسکی بے چینی حد سے سوا تھی۔وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔آنکھوں سے گرم سیال پھر سے بہنے لگا۔

اس نے گردن سائیڈ پر کر کے صوفے کی جانب دیکھا۔ٹیبل پر پڑے لیپ ٹاپ کی روشنی اسکے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ساتھ ہی کچھ فائلز بھی سامنے بکھری پڑی تھیں۔اسکا ایک ہاتھ سر کے نیچے جبکہ دوسرا صوفے پر دھرا تھا اور اس ہاتھ میں فائل کھلی پڑی تھی۔ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کام کرتے کرتے سو گیا ہو اور زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی

اسے سوتے ہوئے کیونکہ لیپ ٹاپ کی سکرین ابھی تک روشن تھی۔

طلسہ اسے دیکھ کر پھر سے رونے لگی۔اسے شدید درد ہو رہا تھا۔وہ بے بسی سے بازل تہمان کو دیکھنے لگی وہ اسکو ہرگز جگانا نہیں چاہتی تھی۔اسے ہرگز نہیں بتانا چاہتی تھی کہ اسے کتنا درد ہو رہا ہے۔مگر اسے اپنی سو کال لڈ انا کو مارنا پڑا۔بڑی ہمت کر کے اس نے بازل کو آواز لگائی تھی۔

''بازل!''

اسکی آواز اسکا ساتھ نہیں دے رہی تھی رونے کی وجہ سے اسکی آواز بہت بھاری ہو چکی تھی۔اس نے دوبارہ کوشش کی۔

''بازل!''

بازل یکدم چونک کر اٹھا اور ایک سیکنڈ کا توقف کیے بنا اس تک آیا۔

''طلسہ! کیا ہوا آر یو او کے؟'' اسے روتے دیکھ فکرمندی سے اسکے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے بہت درد ہو رہا ہے بازل۔'' وہ بہت مشکل سے بولی تھی۔اسکی آنکھوں سے مسلسل آنسوں بہہ رہے تھے چہرے پر درد رقم تھا۔

''پلیز طلسہ! تھوڑی ہمت کرو میں کچھ کرتا ہوں۔'' اپنی دونوں ہتھیلیوں سے اسکے آنسو صاف کرتا وہ سیل فون اٹھا کر ڈاکٹر کو کال ملانے لگا۔پہلی بار فون نہیں اٹھایا گیا مگر دوسری بار کال اٹینڈ کر لی گئی۔

''ہیلو ڈاکٹر! بازل تہمان از ہیئر، میری وائف کو بہت پین ہو رہا ہے میں کیا کروں آپ کوئی اچھی سی میڈیسن لکھ کر دیں جس سے ان کو درد نہ ہو۔'' کال کے پک ہوتے ہی اس نے ایک سانس میں کہا تھا۔

''ریلیکس، ڈونٹ وری آپ انہیں وہی میڈیسن دیں جو میں نے دی ہیں یہ وقتی درد ہے اور ہوگا۔آپ ایک کام کریں۔انکا دھیان بٹائیں مائنڈ ڈاؤرٹ ہوگا تو پین کو زیادہ فیل نہیں کریں گی۔'' ڈاکٹر کی نیند میں ڈوبی آواز ابھری تھی۔بازل نے ''تھینک یو'' کہہ کر فون رکھ دیا۔

وہ طلسہ کے پاس آیا اسے میڈیسن دی اور تھکن زدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ایک خیال کے تحت وہ سٹڈی میں گیا اور وہاں سے ''دی ہابٹ'' اٹھا لایا۔صوفی سے اسے پتا چلا تھا کہ طلسہ کو دی ہابٹ بہت پسند ہے سو

وہ اسکے پاس بیٹھ کر اسے تھوڑی اونچی آواز میں پڑھنے لگا۔طلسہ نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا جو اتنی رات کو اپنی نیند کی پرواہ کیئے بغیر اسے بہلانے کی غرض سے اسکی من پسند کتاب پڑھ رہا تھا۔پندرہ منٹ مسلسل پڑھنے کے بعد اس نے اچانک طلسہ سے پوچھا تھا۔

''طلسہ !درد تو نہیں ہو رہا؟''

اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔بازل ہلکا سا مسکرایا اور پھر سے پڑھنے لگا۔طلسہ کی آنکھیں ہولے ہولے بند ہونے لگی تھیں۔اس پر غنودگی طاری ہوئی اور وہ سو گئی۔بازل نے بک پڑھتے پڑھتے اسے دیکھا اور پھر پانچ منٹ بعد اس سے پوچھا۔

''طلسہ !سو گئی ہو؟''

اسکے پوچھنے پر کوئی جواب نہیں ملا تو بازل نے بک سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور صوفے پر جا کر اس پر نظریں جمائے بیٹھ گیا۔

٭......٭......٭

پھر یونہی دن گزرتے گئے۔بازل، ہابی اور شامہ ہر وقت اسکا خیال رکھنے میں مگن رہتے۔بازل تہمان ہر وقت اسکے ساتھ رہتا۔اسکے کھانے پینے، کپڑوں حتیٰ کہ اسکی چھوٹی چھوٹی چیزوں کا دھیان رکھتا۔اس نے بازل کا پرواہ والا روپ تو دیکھا تھا لیکن اسکا یہ انتہا کا کیئرنگ ولونگ روپ وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔اسکے دل میں بازل تہمان کے لئے شدید نفرت تھی مگر یہ نفرت کیسے آہستہ آہستہ اسکے دل سے نکلی اسے پتا ہی نا چلا۔

وہ حیرت سے اس شخص کو دیکھتی جو اسکے کھانے پینے کا بے انتہا خیال رکھتا۔طلسہ کو کون سا سوپ پسند ہے اسکے لئے کون سی ڈش بنوانی ہے،کون سا شیک کس وقت دینا ہے ہر وقت اسے یہ ہی یاد رہتا۔وہ بے یقینی سے اس شخص کو دیکھتی جو صوفی کے ساتھ کھیلتا کھیلتا یکدم اس سے پوچھتا۔

''طلسہ تمہیں درد تو نہیں ہو رہا؟''

اور یہ سوال وہ دن میں کئی بار پوچھتا اور وہ ہر بار نفی میں سر ہلا دیتی۔

وہ پر ملول سی اس شخص کو دیکھتی جو پورا دن رف سے حلیے میں رہتا۔دیر رات تک اپنے کام نبٹاتا،فون پر

بزنس کنورسیشن میں لگا رہتا وہیں سکائپ پر بزنس میٹنگز اٹینڈ کرتا اور وہیں صوفے پر بیٹھا بیٹھا سو جاتا۔

وہ تاسف سے اس شخص کو تکتی جو بے حد تھکان کے باوجود چہرے پر مسکراہٹ لئے ہابی کے ساتھ باتیں کرتا شمامہ کے ساتھ وقت گزارتا۔صوفی کے لاڈ اٹھاتا اور طلسہ کو مزے مزے کے قصے سناتا جن کے دوران وہ کبھی کبھی ہنس بھی دیتی تھی۔اس نے تو گویا اسکے کمرے کو سب کا کمرہ بنا دیا تھا۔صبح سے شام تک سب اسکے پاس رہتے۔ کبھی کبھی تو صوفی بھی اسکے پاس سو جاتی تھی۔

طلسہ نے اس عرصے میں اس انسان کو ایک منٹ بھی فارغ نہیں دیکھا تھا۔اکثر تو وہ کھانا کھانا بھی بھول جاتا تھا اور ہابی کے یاد دلانے پر ایسے ری ایکٹ کرتا جیسے یہ کوئی بہت ہی غیر اہم کام ہو۔پچھلے ایک سال میں وہ بازل کو اتنا نہیں جان پائی تھی جتنا اس تھوڑے سے عرصے میں اس نے بازل کو جانا تھا۔کم از کم اسکے دل سے بازل کیلئے خود غرض کا لفظ تو نکل ہی گیا تھا کیونکہ وہ بہت بے غرض انسان تھا۔رشتوں کا احترام کرنے والا، رشتوں سے محبت کرنے والا۔صوفی سے کس قدر والہانہ محبت کرتا ہے یہ وہ جان گئی تھی۔ہابی کو کتنا چاہتا ہے جان گئی تھی۔شمامہ سے کتنی اٹیچمنٹ ہے اسکی، یہ وہ جان گئی تھی لیکن نہیں جان پائی تھی تو یہ بات کہ کیوں کی اس نے اسکے ساتھ شادی، کیوں اٹھا کر لایا وہ اسے اسکی شادی والے دن۔

یہ بات اگر وہ چاہ رہی تھی تو بھی دل سے نہیں نکال پا رہی تھی۔لیکن اس سب کے باوجود وہ بازل سے نفرت نہیں کر پا رہی تھی۔وہ اسکی محبت میں گرفتار ہونے لگی تھی اور یہ ہی بات اسے بری طرح ڈسٹرب کر رہی تھی۔بھلا وہ ایسے شخص سے کیسے محبت کر سکتی ہے جو اس کے لئے رسوائی کا سبب بنا تھا، جس کی بدولت اسکے گھر والوں کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہوگا، کتنی سبکی ہوئی ہوگی نا اسکے گھر والوں کو۔

وہ روز یہ سب سوچ کر بازل کے لئے دل میں نفرت پیدا کرنے کی سعی کرتی روز ہی ناکام ہو جاتی۔روز برا سوچتی اور بغیر کسی نتیجے پر پہنچے اسکی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ جاتا اور وہ خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہتی جسکی آنکھوں میں جلتی محبت کی قندیلیں اسکا دل بھرا دیتیں۔

کیوں، آخر کیوں لڑکیاں اتنی کمزور ہوتی ہیں۔ذرا سی توجہ، ذرا سی التفات کے آگے وہ کیوں بڑے بڑے گناہ، بڑی بڑی زیادتیاں معاف کر دیتی ہیں آخر کیوں؟

نہیں بازل تہمان، میں وہ لڑکی نہیں ہوں۔ میں اتنی جلدی خود کو تمہارے آگے جھکنے پر مجبور نہیں کروں گی میں آج بتا دوں گی کہ یہ میری چپ طوفان کے آنے سے پہلے کی چپ ہے۔ میرا دل تمہارے لئے نہیں پگھل سکتا میں آج تمہیں بتا دوں گی۔

آج اسکی پٹی چینیج ہونی تھی۔ وہ ہابی کے شانے سے لگی آنسو بہاتی بازل تہمان کو دیکھ کر سوچ رہی تھی جو بالکل اسکے سامنے صوفے پر آگے کو جھک کر بیٹھا ہوا تھا۔ اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بنا کر انہیں ہونٹوں پر ٹکائے بڑے تحمل سے بیٹھا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

پٹی چینیج ہوتے ہی وہ بھی ڈاکٹر کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کے جاتے ہی اس نے پلٹ کر مسکرا کر طلسہ کی جانب دیکھا اور اگلے ہی پل اسکی مسکراہٹ طلسہ کے الفاظوں سے غائب ہوگئی۔

''بہت خوش ہو رہے ہونا مجھے اس طرح دیکھ کر۔ ہو گے بھی کیوں نہیں، تمہاری تو یہ خواہش رہی ہے مجھے تکلیف دینے کی۔''

ہابی نے اچھنبے سے طلسہ کو دیکھا۔ شامہ کا چہرہ بھی سفید پڑا۔ وہ بازل کو دیکھنے لگی جو بغیر کس تاثر کے اسکے لگائے الزام سن رہا تھا۔

''تمہارے دل میں تو خوشیوں کے میلے لگے ہوں گے نا، یہی چاہتے تھے نا تم کہ میں روؤں، تڑپوں تو لو ہو جاؤ خوش، مناؤ جشن تم جیت گئے، میں ہار گئی۔ رو رہی ہوں تڑپ رہی ہوں۔'' اسکے آنسو روانگی سے بہنے لگے۔

''مجھے نفرت ہے بازل تہمان! تم سے تمہاری شکل سے، تمہاری آواز سے، تم مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ تمہیں اللہ کا واسطہ چھوڑ دو مجھے۔'' آخر میں وہ حلق کے بل چلائی تھی۔ ہابی کی آنکھیں غم و غصے سے بھرا گئیں۔

بازل کا سرخ چہرہ انکا دل کاٹ گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر چپ رہا پھر اسے دیکھتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں بولا۔

''چھوڑ دیا۔''

ہابی نے روتے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھا۔ شامہ بازل کے پیچھے بھاگی تھی جبکہ طلسہ، اسے تو ایسا لگا جیسے دل اندر ہی پھٹ گیا ہو۔

......

''ہیلو مسٹر احمد چغتائی! کیسے ہیں آپ؟'' بازل نے انکے آفس میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ارے بازل بیٹا! کیسے ہو آپ؟'' وہ بشاش لہجے میں کہتے اس سے اٹھ کر گلے ملے تھے۔

احمد چغتائی اسکے بابا کے کلوز فرینڈ تھے اور پاکستان میں قائم انکی کمپنی کو وہی دیکھتے تھے۔ بازل کی ان سے اور انکی وائف سے کافی اچھی انڈرسٹینڈنگ تھی۔ یقین بہت تھا اسے ان پر تبھی آج انکی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

''کہو بیٹا پاکستان کیسے آنا ہوا؟ کمپنی کی ساری رپورٹس تو میں نے کل ہی میل کر دی تھیں۔ اور کوئی میٹنگ بھی نہیں ہے۔''

ان کے لہجے میں بازل کے لئے فکرمندی تھی کیونکہ وہ کبھی بغیر کسی وجہ کے نہیں آتا تھا۔

''بس ایک بہت ضروری کام تھا جس کے لئے آنا پڑا۔ اس کام کیلئے مجھے آپکی مدد درکار ہے۔'' اس نے کرسی کو سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔

''کیسا کام؟'' احمد چغتائی بھی اسکے سامنے بیٹھ گئے تھے۔

''وہ بھی بتاتا ہوں پہلے کافی تو منگوائیں۔'' اس نے سیل فون پر آتی کال کاٹتے ہوئے کہا۔

''کتنے دن کیلئے آئے ہو؟'' انہوں نے کافی کا آرڈر دیتے ہوئے پوچھا تھا۔

''صرف آج کیلئے ہوں۔ کل آیا تھا آج فلائٹ ہے میری۔''

اسکے کہنے کے دوران سیکرٹری کافی رکھ گیا تھا۔

''اچھا تو چلو لنچ اور ڈنر گھر پر کریں گے۔'' انہوں نے کافی کا سپ لیتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں مجھے ضروری کام ہے ورنہ ضرور آپکی آفر قبول کرتا۔ شکریہ۔'' اس نے شائستہ انداز میں انکی آفر رد کی تھی۔

''بازل اب تم زیادتی کر رہے ہو۔'' وہ تھوڑے خفا ہوئے۔

''پلیز برا مت مانیں، نیکسٹ ٹائم پکا آپکے گھر کھانا کھانے کیلئے ہی نہیں بلکہ رہنے کیلئے بھی آؤں گا۔'' وہ معذرت خواہ سا بولا۔

''دیکھو پرامس کر رہے ہو؟''

''اور آپ جانتے ہیں میں اپنے وعدوں کا کتنا پکا ہوں۔''اس نے مسکرا کر کہا۔

سیکرٹری ٹرے اٹھا کر گیا تو اسکے جاتے ہی اس نے احمد چغتائی سے کہا۔

''مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔''

بازل تہمان کے چہرے پر اتنی سنجیدگی انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی لہٰذا وہ چونک کر اسکی جانب متوجہ ہوئے۔

''کیوں نہیں، بولو کیا کام ہے؟''

''امام جہانزیب سے متعلق ہے۔''اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا تھا۔دس بج رہے تھے جب اس نے بات سٹارٹ کی تھی۔اور ایک کے قریب اسکی بات ختم ہوئی تھی۔احمد چغتائی کے چہرے پر اب گہری سنجیدگی تھی جبکہ بازل پرسکون سا کرسی کی پشت سے ٹیک لگا گیا۔

''تم اس بارے میں شور ہو؟''انہوں نے کمرے میں پھیلی جامد خاموشی کو توڑتے ہوئے پوچھا۔

''I an suredamn abourt it''

''دیکھ لو بازل، مجھے نہیں لگتا یہ صحیح ہے کہیں بعد میں......''

''بعد میں کچھ نہیں ہوگا۔''اس نے انکی بات کاٹ کر کہا تھا۔''بس آپ یہ کام کر دیں میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔''

''شکر گزار کی کیا بات ہے بازل پر......''احمد چغتائی کچھ کہتے کہتے رک گئے تھے۔

''یہ کام آپکو میرے کال کرنے پر کرنا ہے۔''اس نے انکی پریشانی نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔''یہ کال میں آپکو ایک ہفتہ بعد بھی کر سکتا ہوں یا ایک مہینے بعد یا پھر یہاں سے ہنوئی پہنچتے ہی بھی۔اس میں کچھ چیزیں ہیں جو آپکی اس کام میں مدد کریں گی۔''

اس نے براؤن بریف کیس انکی طرف بڑھایا۔

''اب میں چلتا ہوں کافی ٹائم ہو گیا ہے۔''ریسٹ واچ کی طرف دیکھ کر اس نے کوٹ کا بٹن بند کیا تھا۔

''انشاءاللہ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔''

وہ ان سے ہاتھ ملاتا چلا گیا۔ وہ خود تو پرسکون تھا لیکن احمد چغتائی کو پریشان کر گیا۔

''اللہ تمہارا نگہبان ہو۔'' کرسی پر بیٹھ کر وہ بریف کیس کھولتے ہوئے بولے تھے۔

❂......❂......❂

بازل کو گئے آج پانچ دن ہو گئے تھے۔ ان پانچ دنوں میں طلسہ نے جلے پیر کی بلی کی طرح اسکا انتظار کیا تھا۔ اسکی آنکھیں شدت سے بازل تہمان کی منتظر تھیں۔ وہ اسے چھوڑنے کی بات کہہ گیا تھا اور اب یہ طلسہ کیلئے بہت بڑی بات تھی۔ وہ سب کچھ سوچ سکتی تھی مگر بازل سے علیحدگی ہرگز نہیں۔

ہابی بھی تو اس سے سخت کبیدہ و نالاں تھیں۔ ہوتی بھی کیوں نا، اس نے بازل کو ہرٹ جو کیا تھا۔ آخر کو وہ اسکی بڑی بہن تھیں۔ ناراضگی تو دکھا سکتی تھیں۔ شامہ بھی اسکے پاس نہیں آتی تھی سب اس سے ناراض تھے۔ اسکی خود غرضی و بے حسی نے سب کو اس سے فاصلہ رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ سرجری کے دوران بھی کوئی اس سے مخاطب نہیں تھا۔ سرد تاثرات لئے اسے حوصلہ مل رہا تھا۔ اس نے دل سے دعا کی تھی کاش وہ سرجری کے دوران ہی مر جائے مگر شاید وہ بہت ڈھیٹ تھی تبھی بچ گئی۔ بازل تہمان کی منتظر آنکھیں جب کھلیں تو تب بھی وہ تلاش میں تھی کیونکہ وہ نہیں آیا تھا۔ نیم غنودگی کی حالت میں اسے لگا تھا کہ بازل اسکے پاس ہے لیکن شاید وہ ایک احساس ہی تھا۔

بالآخر ایک مہینے کے طویل انتظار کے بعد بازل کی گاڑی کا ہارن اس نے سنا تھا۔ اسکے دل کی دھڑکنیں منتشر ہونے لگیں۔ پانچ منٹ تک ہمت مجتمع کر کے وہ بنا ناک کئے اسکے کمرے میں آئی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے اسکے کمرے میں قدم رکھا تھا اور یہ قدم اسے جماد ینے کیلئے کافی تھا۔

اسے جماد ینے والی انکی شادی کی تصویر تھی۔ گرے وال پر وہ قد آدم تصویر فل بلیک اینڈ وائٹ تھی۔ صرف ایک چیز تھی جو رنگین تھی اور وہ تھا طلسہ کا ریڈ ستاروں سے چمچماتا دوپٹہ۔ اداس سی طلسہ اس تصویر میں نگاہیں نیچی کیئے پر ملول سی دکھائی دیتی تھی۔ جبکہ وجاہت کا پیکر بنا بازل تہمان آنکھوں میں استحقاق لئے مسکراہٹ دباتا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ تصویر بالکل مکمل تھی۔ انکا ایک ایک نقش اس تصویر میں واضح تھا۔

طلسہ کی آنکھیں بھر آگئیں۔ واش روم سے نکل کر بازل نے ایک نظر اسے دیکھا اور صوفے پر بیٹھ کر شوز

اتارنے لگا۔طلسہ نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں صاف کیں۔بازل کالاتعلق سارویہ اسکے لئے دکھ کا باعث بنا۔

''مم۔مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''اس نے وہیں کھڑے کہا۔بازل کوٹ اتار کراب ویسٹ کوٹ کے نیچے سے ٹائی کھینچ رہاتھا۔

''اچھاہواتم خود آگئی،میں ابھی تمہیں ہی بلوانے والاتھا۔''

بازل نے اسے بیٹھنے کااشارہ کیامگروہ جوں کی توں کھڑی رہی۔

''ایم ایم سوری بازل۔''پھنسی پھنسی سی آوازاسکے گلے سے نکلی تھی۔بازل ڈرازکی جانب بڑھااورایک بلیو فائل نکال کراسکی سمت آیا۔

''یہ کیاہے؟''ڈوبتادل اسے کچھ بہت غلط ہونے کاعندیہ دے رہاتھا۔

''ڈائیورس پیپرز۔''

طلسہ کے پیروں سے زمین کھسکی۔اسکے سیاہ کٹورے دکھ کے سمندر سے بھرنے لگے۔

''ایم سوری بازل،میں نے جوبھی کیاپلیزاسکے لئے مجھے معاف کردو۔میں بہت شرمندہ ہوں۔''

اس نے فائل کوہاتھ تک نہیں لگایاتھا۔بازل اسکی طرف بڑھائے کھڑارہا۔وہ بری طرح ہچکولے لیتے ہوئے رونے لگی تھی۔بازل نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''یہاں پرمعافی کی توکوئی بات ہی نہیں ہے طلسہ اورنہ ہی میں تمہیں معافی مانگنے کاکہہ رہاہوں۔''

''لیکن میں مانگوں گی معافی کیونکہ میں نے آپ سے بدتمیزی کی،ہابی سے کی،صوفی کے بارے میں براکہا اوراسلئے ہی آپ مجھے یہ دے رہے ہیں نا۔''اس نے فائل کی جانب اشارہ کیا۔

''جوتم سمجھو،لیکن فی الحال یہ پکڑواوریہاں سے جاؤ مجھے سخت نیندآرہی ہے۔''

سرد بیگانہ بےزارلہجہ طلسہ کویقین نہیں آیاکہ یہ بازل نے اس سے کہاہے۔طلسہ کوشدیدتوہین کااحساس ہوا غم وغصہ کاپہاڑاس پرگراتھا۔

''اوہ،واؤ تواب سمجھ آیابازل تہمان۔مجھ سے بےزارہوگئے ہیں دل بھرگیاہےانکامیرے سے تبھی جان چھڑوارہے ہیں نا۔''اس نے تالیاں بجاتے ہوکہا۔''ویل ڈن بازل تہمان ویری گڈ۔مجھے بتاناپسندکریں گے

کہ وہ کون ہے جسے میری جگہ دینے کا سوچ رہے ہو۔ یا پھر وہ یہیں ہے اسی گھر میں تمہاری بی لوڈ بچپن کی دوست جس سے شاید تم شادی کرنے والے تھے مس شامہ۔ ہیں نا۔'' کانپتی ٹھوڑی کے ساتھ وہ پرانے والی طلسہ بنی تھی۔

''تو گویا بہت ذہین ہیں آپ۔ میں جان گیا ناؤ پلیز کین یو لیو۔'' بازل نے اسکے ہاتھ میں فائل پٹخی اور دروازے کی جانب اشارہ کیا۔

طسلہ کا دل کرچی کرچی ہوا تھا۔ اسے یقین نہیں ہوا جو اس نے سوچا تھا وہ سچ نکلا۔ نچلا لب دانتوں میں جکڑتے ہوئے اس نے ٹھوڑی کو کانپنے سے روکا تھا۔

''اگر یہ ہی سب کرنا تھا تو کیوں میری زندگی برباد کی۔ کیوں مزید برباد کرنے پر تلے ہو۔ بولو۔'' توہین کے سبب اس نے چیخ کر کہا تھا۔

''اس سب کی ذمہ دار تم خود ہو۔ تم نے خود اپنی راہیں کھوٹی کی ہیں۔ مجھے بلیم مت دو۔''

طلسہ نے نم ناک آنکھوں سے اپنا آپ بچاتے بازل کو دیکھا۔ اسے شدید دکھ ہوا کیونکہ وہ سب سچ کہہ رہا تھا۔

''بازل کیا میں واقعی تمہارے دل سے اتر گئی ہوں؟'' آنسوؤں کی برسات کرتی کانپتے وجود کے ساتھ اس نے کس آس سے اس سے پوچھا تھا۔ بازل اسکی سمت بڑھا، دروازہ کھول کر اسے باہر کھڑا کیا۔

''جاؤ طلسہ، بہت دیر ہوگئی ہے۔''

اس نے دروازہ بند کر دیا۔ طلسہ آنسو بہاتی وہیں کھڑی رہی۔

✡......✡......✡

''السلام علیکم مسٹر امام جہانزیب۔ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' احمد چغتائی انکے آفس میں کھڑے اجازت طلب کررہے تھے۔

''وعلیکم السلام۔ آئیں نا، وہاں کیوں کھڑے ہیں۔'' امام جہانزیب نے خوشدلی سے کہا تھا۔

''تشریف رکھیں۔'' وہ احمد چغتائی سے مصافحہ کرتے ہوئے بولے۔

''کیا لیں گے چائے یا کافی۔'' امام جہانزیب نے انٹر کام اٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں کچھ نہیں، تھینک یو۔'' احمد چغتائی نے کہا۔

''ارے آپ تو تکلف کرنے لگے۔''

دو کپ چائے انہوں نے خود ہی آرڈر کیا۔ احمد چغتائی بالکل خاموش پر سوچ انداز میں بیٹھے رہے جیسے بولنے کیلئے لفظ تلاش رہے ہوں۔ معاملہ اتنا پیچیدہ تھا کہ وہ دوٹوک بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔

''کیا بات ہے؟ آپ بہت پریشان لگ رہے ہیں۔'' امام جہانزیب نے انکی خاموشی بھانپتے ہوئے پوچھا کیونکہ چائے پڑی پڑی ٹھنڈی ہونے لگی تھی۔ انہوں نے دو گھونٹ بھر کر جیسے ہمت باندھی۔

''امام صاحب! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''جی فرمائیں۔'' وہ ہمہ تن گوش ہوئے۔

''مجھے آپکی بیٹی طلسہ کے بارے میں بات کرنی ہے۔'' احمد چغتائی نے کہہ کر انکی جانب دیکھا جن کے ہاتھ میں چائے کا کپ کانپا تھا۔ وہ بے یقین حیران و پریشان سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ امام جہانزیب احمد چغتائی کو صرف سال بھر سے جانتے تھے جبکہ طلسہ کو اغوا ہوئے تقریباً دو سال ہونے کو آئے تھے۔ اور اس عرصے میں انہوں نے کبھی طلسہ کا ذکر انکے سامنے نہیں کیا تھا۔

''آپ مم...... میری بیٹی کو کیسے جانتے ہیں؟'' بہت مشکل سے انہوں نے اپنے بوڑھے ہونٹوں کو جنبش دی تھی۔

''آپکی بیٹی کا مجھے پتا ہے۔'' انکی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ''وہ اس وقت کہاں ہے میں یہ بھی جانتا ہوں۔''

''میری بیٹی کا پتا ہے آپکو، وہ کہاں ہے۔؟''

انکا وجود کانپنے لگا تھا۔ وہ بے ساختہ کھڑے ہوئے تھے۔

''بیٹھ جائیں امام صاحب، اب میں جو بتانے والا ہوں آپکو تسلی سے سننا ہوگا۔''

احمد چغتائی کے کہنے پر وہ بے چینی سے بیٹھ گئے اور امید بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔

''آپکی بیٹی اس وقت ویت نام کے شہر ہنوئی میں ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ چپ ہو گئے تھے۔ باپ کی محبت بیٹی

کے ذکر پر بری طرح تڑپ اٹھی تھی۔ احمد چغتائی نے کچھ کہنے کی بجائے بریف کیس انکی طرف بڑھایا۔

''اس میں سے پہلے وائٹ انویلپ نکالیے گا۔''

وہ اس وقت خود کو کڑے امتحان میں محسوس کر رہے تھے۔ امام صاحب نے کانپتے ہاتھوں سے بریف کیس کھول کر اس میں سے سفید لفافہ نکالا۔

'کیا ہے اس میں؟'' انہوں نے انجانے خوف کے زیر اثر پوچھا۔

''آپ خود ہی دیکھ لیں۔''

انکے کہنے پر امام صاحب نے لفافے کو چاک کیا اور اگلے ہی پل وہ ششدر رہ گئے۔

''بازل تہمان۔'' وہ زیر لب بڑبڑائے تھے۔ بازل اور انکی بزنس پارٹنر شپ طلسہ کے اغوا ہونے کے کچھ عرصے بعد ہی ہوئی تھی۔

وہ بازل تہمان اور طلسہ کے نکاح کے وقت کی تصاویر تھیں۔ ایک ایک کر کے تمام تصاویر دیکھ لیں۔ جیسے جیسے وہ تصاویر دیکھ رہے تھے انکا دل بھرائے جا رہا تھا۔

''بلیو فائل۔'' احمد چغتائی کے کہنے پر انہوں نے تڑپ کر فائل اٹھا کر کھولی تھی۔ اس میں بازل تہمان اور طلسہ کے نکاح کی کاپی تھی اور بھی بہت سے کاغذات تھے۔

''بازل تہمان ہی آپکی بیٹی کو یہاں سے ہنوئی لے کر گیا تھا۔ وہ اب بھی اسکی تحویل میں بحفاظت موجود ہے۔ اگر آپ اپنی بیٹی کو واپس لانا چاہتے ہیں تو اس میں ایڈریس موجود ہے۔ بازل تہمان نے اسٹامپ پیپر تیار کروا کر اس پر سائن کر دیئے ہیں آپ جب چاہیں طلسہ کو کورٹ سے خلاع دلوا سکتے ہیں۔''

احمد اور بھی بہت ساری انفارمیشن دیکر انکو گئے تھے۔ امام جہانزیب بہت محبت سے طلسہ کی تصاویر کو دیکھ اور چوم رہے تھے۔ کب کی ترسی آنکھوں کو اب راحت نصیب ہوئی تھی۔ وہ پوری طرح ٹوٹ کر بکھرے تھے۔ انہوں نے دل وجان سے اپنی جان کو یاد کیا تھا۔

امام جہانزیب ایک نہایت شریف و باکردار انسان تھے۔ وہ راجپوت فیملی سے تعلق رکھتے تھے انکی ریت و روایات میں شادیاں خاندان سے باہر نہیں ہوتی تھیں۔ لیکن وہ اپنے دوست کی بہن کو دل دے بیٹھے تھے تبھی اپنی

مرضی سے شادی کرنے کی وجہ سے انہیں گھر بدر کردیا تھا۔خاندان سے کٹ کر وہ کراچی آ بسے۔ویسے بھی انکی سوچ بہت مختلف تھی ریت ورواج میں پھنسنے والے انسان نہیں تھے وہ۔

تہمینہ کے ساتھ وہ بہت ہی پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔تہمینہ بہت وضع دار اور سلیقہ شعار عورت تھی۔انکی سنگت میں جیون بہت سہل تھا۔اس زندگی میں بہار تب آئی جب اللہ نے ان کے گھر ایک گلاب کا پھول کھلایا۔ طلسہ کی آمد نے انکی زندگی کو بہار کردیا تھا۔طلسہ کے پانچ سال بعد زرین انکی گود میں آئی تو مانو انکی دنیا مکمل ہوگئی۔دونوں بیٹیوں میں امام جہانزیب کی جان تھی۔دونوں ہی انکی آنکھ کا تارا تھیں۔انکی خواہش پر طلسہ نے کیمسٹری میں ایم فل کیا تھا۔اسکا آگے اسکا پی ایچ ڈی کرنے کا ارادہ تھا جب تہمینہ نے زور دیکر طلسہ کی منگنی اپنے بھائی کے بیٹے صہیب سے کردی تھی۔

صہیب اور طلسہ کی کافی انڈراسٹینڈنگ تھی۔وہ دونوں بچپن کے دوست تھے۔ایک دوسرے میں بے تکلفی دیکھ کر ہی امام نے یہ فیصلہ کیا تھا۔طلسہ کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا اسکے پاپا جو فیصلہ لیتے اسے منظور تھا چاہے پھر وہ صہیب ہوتا یا کوئی اور۔اسکے نزدیک والدین کا فیصلہ ہی زندگی کے لئے بہترین ہوتا ہے۔سو اس نے تمام معاملہ اپنے پیرنٹس کے سپرد کردیا۔

دوسری طرف زرین تھی تو وہ اس سے چھوٹی تھی اور ابھی پڑھ رہی تھی۔وہ تھوڑی ڈرپوک دبوسی تھی۔زبان تو گویا اسکی تالو سے چپکی ہوتی تھی۔ہر روز طلسہ اسے ایک گھنٹے کا لیکچر دیتی تھی جس کا لب لباب کانفیڈنس ہوتا تھا۔مگر وہ بھی زرین تھی کہاں اثر ہوتا تھا اس پر طلسہ کے فضول سے قصے کہانیوں کا اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا اس بات سے کہ کیسے اور کب طلسہ نے کس لڑکے اور کس لڑکی کو اسکی نانی یاد کرائی تھی۔اور کون سا فیشن ان ہے اور کون سا نہیں۔وہ تو بس کتابی کیڑا تھی۔بابائے آدم کے زمانے کی کتابیں پڑھنا اسکا بہترین مشغلہ تھا۔

طلسہ کی شادی کی تیاریاں زور وشور سے چل رہی تھیں۔ہر طرف خوشیوں کا میلہ لگا تھا۔امام جہانزیب اور تہمینہ نم آنکھوں سے بیٹی کی زندگی میں آنے والی بہاروں کے منتظر تھے۔بہاروں کے منتظر کو کب خزاں نصیب ہوئی پتا ہی نا چلا۔خوشیوں سے جھومتے گھر میں ماتم سا سماں ہوگیا۔مسرت سے نم آنکھیں رنج و بے قراری سے بھیگنے لگیں۔

زرین کے بتانے پر امام جہانزیب اور صہیب ہوا کی دوش پر اڑ کر وہاں پہنچے تھے لیکن تب تک بہت دیر ہو گئی تھی طلسہ کا نام ونشان تک وہاں نہیں ملا تھا۔

عزت بچانے کی خاطر زرین کا نکاح صہیب سے کر دیا تھا اور رخصتی فی الحال ملتوی کر دی تھی۔غم و بدنامی کا پہاڑ ان لوگوں پر ٹوٹا تھا۔امام جہانزیب کو ہارٹ اٹیک آیا تھا جس نے سب کو مزید پریشان کر دیا تھا۔تہمینہ کا رو رو کر برا حال تھا۔وہ دونوں یکدم سے بہت بوڑھے نظر آنے لگے تھے۔پولیس میں رپورٹ کر دی گئی تھی مگر طلسہ تو ایسے غائب ہوئی تھی جیسے اسکا وجود کبھی ہو ہی نہ۔صہیب اسکے پاپا خود امام جہانزیب نے ٹھیک ہونے کے بعد سر توڑ کوشش کی تھی طلسہ کو ڈھونڈنے کی مگر اسکا کہیں سراغ نہیں ملا تھا۔

''آپ کے پاپا آپکے بغیر مر جائیں گے پلیز طلسہ واپس آ جاؤ۔''

رات کو چھپ چھپ کر اپنی لخت جگر کی تصویروں کو وہ پکڑ پکڑ کر روتے تھے۔انہیں اپنے پاک پروردگار پر پورا یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور انہیں انکی بیٹی سے ملا دے گا۔

وقت پر پھیلا کر گزرنے لگا۔دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے دو سال میں بدل گئے۔ان دو سالوں میں اللہ نے انہیں صبر تو عطا کیا تھا مگر ان کا انتظار ختم نہیں ہوا تھا۔ان دو سالوں میں زرین کو صہیب کے ساتھ رخصت کر دیا گیا تھا۔سب اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہو گئے تھے۔طلسہ نام انکی یادوں میں تو تھا مگر انکی لائف میں نہیں تھا۔

اللہ نے بے شک انہیں صبر عطا کیا تھا مگر ان لوگوں نے امید نہیں چھوڑی تھی۔انہیں پورا یقین تھا کہ انکی بیٹی انکی حیات میں ضرور انہیں ملے گی۔وہ یقیناً خیریت سے ہی ہو گی اور انکی یہ امید رائیگاں نہیں گئی تھی۔اللہ نے انہیں مایوس نہیں کیا تھا۔انکا انتظار لاحاصل نہیں گیا تھا۔

❋......❋......❋

''کیسی ہیں آپ؟'' رسمی علیک سلیک کے بعد غضنفر نے پوچھا تھا۔

ہابی مسکرا دیں۔

''میں ٹھیک آپ کیسے ہیں؟''

''بالکل آپ جیسا۔'' ہابی کے پوچھنے پر غضنفر نے مسکراتی آواز کے ساتھ کہہ کر ہابی کو جھینپنے پر مجبور کر دیا۔

''کیسے فون کیا؟'' ہابی نے گلا کھنکھارتے ہوئے پوچھا۔

''بہت بڑی وجہ کیلئے کال کی ہے میں نے آپ کو۔ ہابی آپ میری بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ بازل کی بڑی بہن بھی ہیں اس لئے میں یہ بات آپ سے شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ پلیز میری بات کو غور سے سننا۔''

غضنفر کے لہجے کی سنجیدگی انہیں ٹھٹکا گئی تھی۔

''کون سی بات؟'' کسی انہونے خطرے کے پیش نظر انہوں نے پوچھا تھا۔

''کل میری بازل سے ویڈیو چیٹ ہوئی۔ بہت خوش لگ رہا تھا۔''

''تو......؟'' غضنفر کے کہنے پر انہوں نے انجانے پن سے پوچھا۔

''تو یہ کہ وہ ہم سب کو دھوکہ دے رہا ہے۔ میں صرف اسکا دوست ہی نہیں بلکہ اسے اپنا چھوٹا بھائی بھی سمجھتا ہوں۔ وہ کیا کرنے جا رہا ہے مجھے اسکا اندازہ ہو رہا ہے۔''

غضنفر دھیمے لہجے میں سوچ کر بولتے ہابی کو بھی پزل کر رہے تھے۔

''یقیناً وہ اب بھی ایسا کرنے جا رہا ہے جو نہ صرف اسکے لئے بلکہ ہمارے لئے بھی پریشان کن ہوگا۔''

''یہ آپکو کیسے پتا؟'' ہابی کا دل جیسے اندر ہی اندر لرزنے لگا تھا۔

''میں نے کہا تھا نا کل میری اس سے بات ہوئی تھی اور وہ بہت خوش لگ رہا تھا۔'' غضنفر نے وضاحت دی۔

'خوش لگ رہا تھا یہ تو اچھی بات ہے نا۔'' ہابی پریشانی سے جیسے الجھ گئی تھیں۔

''ہابی! تم اسی کی بہن ہونا۔''

غضنفر کی پرسنجیدہ آواز پر ہابی تناؤ کا شکار ہوگئیں۔

''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں غضنفر، میری کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ پلیز کھل کر بتائیں۔ میں پریشان ہو رہی ہوں۔''

''ابھی پتا چل جائے گا۔ یہ بتائیں بازل خوش کب ہوتا ہے؟'' انہوں نے مزید سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ کر پوچھا۔

''جب اسکا موڈ اچھا ہوتا ہے۔کوئی تہوار ہو یا پھر صوفی کے ساتھ وقت بتاتے ٹائم کوئی برتھ ڈے یا پھر سب بہت اچھا چل رہا ہو لیکن......'' ناسمجھی سے کہہ کر انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''گڈ اب یہ بتاؤ وہ بہت خوش کب ہوتا ہے؟'' انہوں نے بہت پر زور دیکر پوچھا۔

''بہت خوش۔'' ہابی جیسے رک سی گئی تھیں۔

''ہاں، بہت خوش وہ تب ہوتا ہے جب اسے کچھ چھپانا ہوتا ہے۔کچھ ایسا جو سب سے زیادہ اسے تکلیف دیتا ہے اور وہ کچھ اسے اندر ہی اندر کاٹ رہا ہوتا ہے۔اس کاٹ کو اس درد کو چھپانے کی خاطر وہ خوش بلکہ بہت خوش خود کو ظاہر کرتا ہے۔''

غضنفر نے انکی آنکھیں بھرا دیں۔بازل سے ان کو شدید محبت تھی۔بازل کو تکلیف میں دیکھنے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔

''غضنفر! آپکو پتا ہے نا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔'' انہوں نے بھرائی آواز سے پوچھا۔

''اسے روک لو ہابی ورنہ بہت برا ہو گا۔وہ زندگی کے تپتے صحرا میں تنہا جھلس جائے گا اور ہم......ہم اسکے جھلسے ہوئے جسم پر ایک بوند پانی بھی نہیں ڈال سکیں گے کیونکہ وہ ایک بوند اسکے لئے سکون نہیں بلکہ اذیت کا باعث بنے گی۔''

غضنفر نے اپنی بات کہہ کر کال کاٹ دی تھی ہابی حلق میں دل لئے انکی باتوں پر آنسوں بہانے لگیں۔

❀......❀......❀

شادی پر دلہن بن کر رابیل بہت پیاری لگ رہی تھی۔خیر کم تو خان بھی نہیں لگ رہا تھا۔وہ تو ایسے اکڑ رہا تھا جیسے کوئی قلعہ فتح کر لیا ہو۔خان کے تو قہقہے ہی نہیں رک رہے تھے جبکہ رابیل بیچاری سہمی ہوئی ہرن کی طرح بیٹھی تھی۔اس نے صبح سے بریا کا سر کھایا ہوا تھا کہ خان اسکے شادی سے انکار کرنے کی وجہ سے ناراض ہے۔مایوں اور مہندی کے فنکشن پر اس نے میری طرف دیکھا بھی نہیں وغیرہ وغیرہ۔

بریا بیچاری اسے تسلیاں دے دے کر تھک گئی تھی کہ ایسا کچھ نہیں ہے مگر وہ بھی رابیل تھی اندیشوں اور واہموں کی دکان، کہاں اتنی جلدی ماننے والی تھی۔

رخصتی ہوتے ہی بریا گھر آ گئی تھی۔ دن بھر کی تھکان کے باعث اسے فوراً ہی نیند آ گئی تھی۔ صبح وہ دیر سے سو کر اٹھی تو لاؤنج میں ماما، پاپا دونوں ہی موجود تھے۔ سلام کر کے وہ وہیں صوفے پر اپنی ماما کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

''ناشتہ میں کیا لوگی؟'' ماما نے بہت پیار سے اسکے بال سہلاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''جو آپکا دل چاہے بنا دیں۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''بری!''

پاپا کے پکارنے پر اس نے سوالیہ نظروں سے انکی طرف دیکھا۔

''منڈے کو ایک آفیشل میٹنگ ہے۔ پیشتر ممالک سے بڑے بڑے بزنس مینز شرکت کریں گے۔ شام میں میٹنگ کے بعد ڈنر بھی ہوگا تمہیں بھی چلنا ہوگا۔ جبار کی خاص ہدایت ہے تمہارے لئے کہ تم ڈنر کے بغیر واپس نہیں آؤ گی۔ سو ریڈی رہنا۔''

بریا پاپا کو دیکھ کر مسکائی اور پھر بولی۔

''جیسا آپ کہیں۔''

✡.....✡.....✡

رات کے سیاہ پردے بہت آہستہ آہستہ سمٹے تھے۔ صبح کی روشنی اس دنیا کو تو روشن کر گئی تھی لیکن طلسہ کے اندر موجود سیاہ رات ویسے کی ویسی ہی تھی۔ گہری تاریک وسیاہ۔

بے مقصد ہی وہ کسی غیر مرئی نقطہ کو گھور رہی تھی۔ کسی بھی سوچ سے دور خالی ذہن کے ساتھ وہ ساکت بیٹھی تھی۔ اسکے آنسو تو رک گئے تھے مگر دل ہنوز رو رہا تھا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ رات بھی تم نے دروازہ لاک کر لیا تھا اتنے دن سے بات کرنا چاہ رہی ہوں مگر تم ہو کہ ہمیشہ ٹال دیتے ہو۔'' بازل لاؤنج میں آیا تھا جب اسے دیکھتے ہی ہابی اس پر چڑھ دوڑی تھیں۔

''آپ مجھ سے کیا بات کرنا چاہتی ہیں ہابی؟'' بے پناہ بے زاریت اسکے چہرے سے عیاں تھی۔ وہ مزید بولا۔

''میں پہلے ہی بہت کچھ سن چکا ہوں۔مزید سننے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔خدارا بخش دیں مجھے۔''

بازل کے رویے پر ہابی اپ سیٹ ہوئی تھیں۔بازل سے اس رویے کی امید انہیں ہرگز نہیں تھی

''میں تم سے تمہاری ہی بات کرنا چاہ رہی ہوں۔تمہیں سمجھانا چاہ رہی ہو کہ جو تم کررہے ہو بالکل ٹھیک نہیں ہے۔اس سے نہ صرف تم بلکہ ہم سب بھی متاثر ہوں گے۔پلیز خود کو سزا مت دو۔''

بولتے بولتے ہابی کی نظریں لاؤنج میں داخل ہوتی ہستی کی جانب پڑی تھی۔

''کون ہیں یہ؟'' ہابی نے فوراً بازل سے پوچھا۔انکی حسیں الارم دینے لگی تھیں۔

''آپ۔'' بازل نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

''ہاں میں امام جہانزیب۔حیرانی تو نہیں ہونی چاہئے تھی تمہیں بتایا تو تھا کہ اپنی بیٹی کو تمہارے چنگل سے چھڑوانے آرہا ہوں۔'' وہ بازل کے مقابل آکر اسے قہر آلود نگاہوں سے دیکھ کر غرا رہے تھے۔ہابی کبھی امام جہانزیب تو کبھی بازل کو دیکھ رہی تھیں۔

''آپ بیٹھیں۔کیا لیں گے آپ کافی۔'' بازل نے سنجیدگی سے کہا۔

''زہر پی لوں گا مگر تمہارے گھر کے پانی کا گھونٹ تک نہیں لوں گا۔حرام ہے میرے لئے۔'' وہ حقارت سے اسکی بات کاٹتے ہوئے دھاڑے تھے۔

طلسہ کو نا جانے کیوں نیچے سے آتی آوازوں میں اپنے پاپا کا گمان ہو رہا تھا۔اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اسکے پاپا نیچے موجود ہیں وہ انگلیاں مروڑتی دروازے تک آئی تھی۔

''آپ بیٹھیں تو سہی۔ہم بلاتے ہیں طلسہ کو۔'' ہابی نے انکے چہرے پر چھائی ناگواری دیکھتے ہوئے تحمل سے کہا تھا جبکہ اس وقت وہ بازل پر شدید تپی ہوئی تھیں۔

ہابی کی بات کو انھوں نے نظر انداز کیا اور اس شاندار محل کو دیکھتے ہوئے پوچھا

''اور کتنی لڑکیاں رکھی ہوئی ہیں تم نے یہاں؟''

انکے سوال میں چھپے زہریلے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے بازل نے کہا۔

''ابھی تک تو صرف وہی ہے میری دسترس میں۔میں طلسہ کو بلاتا ہوں۔''

لاؤنج میں آتی صوفی اور شامہ کو دیکھ کر اس نے فوراً سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھائے تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا انکے سامنے کوئی تماشہ ہو۔

''شامہ! صوفی کو لے کر اندر جاؤ۔'' اس نے سیڑھیوں پر قدم جماتے ہوئے شامہ سے کہا تھا جو بازل اسکے پیچھے آتی ہابی اور اس سوبر سے آدمی کو دیکھ رہی تھی جنکی شکل طلسہ سے کافی حد تک ملتی تھی یا یوں کہا جائے طلسہ ان سے کافی حد تک ملتی تھی۔

''بابا یہ کون ہیں؟''

صوفی کے پوچھنے پر امام جہانزیب تلملا گئے۔

''گھٹیا انسان! ایک بیٹی کے ہوتے ہوئے تم نے میری بیٹی کو اٹھایا۔ ایک بیوی کے ہوتے ہوئے میری بیٹی کی زندگی برباد کرتے ہوئے تمہیں ذرا شرم نہیں آئی۔''

یکدم اپنے پاپا کی آواز سن کر وہ گرل کے پاس آئی تھی۔

''بیوی نہیں ہیں یہ میری بہن ہیں۔''

پہلی بار امام جہانزیب کے جملے اسے طیش دلا گئے تھے۔ اونچی آواز میں بول پڑا۔ بازل کو اس طرح دیکھ کر صوفی سہم گئی۔

''شامہ! صوفی کو لے کر جاؤ۔'' ہابی کے کہنے پر شامہ فوراً اسے لے گئی۔

طلسہ نے نیچے جھانکا۔ اگلے ہی پل اسکی آنکھوں سے سیلاب بہنے لگا تھا۔ حیرت و کپکپاہٹ اسکے پورے وجود پر طاری ہوگئی تھی۔ آج پورے ایک سال اور گیارہ ماہ بعد وہ اپنے پاپا کو دیکھ رہی تھی۔ وہ پاپا جو بچپن سے لے کر جوانی تک اسکے لئے سایہ دار بادل بنے رہے تھے جنہوں نے ہمیشہ اسے اپنی محبت کی آغوش میں سموئے رکھا تھا تاکہ دنیا کی دھوپ انکی لاڈلی کو جھلسا نہ دے۔

ہونٹوں پر ہاتھ رکھے وہ روتے ہوئے اپنے پاپا کو دیکھ رہی تھی۔

''پاپا۔'' فرط جذبات سے چیختی وہ سیڑھیوں کی جانب بھاگی تھی۔ بازل کے اٹھتے قدم تھمے تھے۔ طلسہ اسکے پاس سے گزرتی اپنے پاپا کے گلے لگی تھی۔ بازل نے مڑ کر اسے دیکھا۔ امام جہانزیب کے گلے لگی وہ بچوں کی

طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ وہ بھی نم آلود آنکھوں سے اسکی پیٹھ سہلا رہے تھے۔ کب کی فراق اب جا کر ختم ہوئی تھی۔ باپ کی ٹھنڈی چھایا کے نیچے اب وہ پھر سے آ گئی تھی۔ بیٹی کی جدائی میں ترسی آنکھیں اب سیراب ہوئی تھیں۔

''میری بیٹی میرے ساتھ چلے گی نا؟'' انہوں نے اسکا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر امید بھری آواز سے پوچھا تھا۔ بازل تہمان دم سادھے طلسہ کو دیکھ رہا تھا۔ طلسہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ہابی آگے بڑھنے لگی تھیں مگر بازل نے ان کا ہاتھ تھام کر روک دیا۔ اسکے ہاتھوں کی لرزش کو ہابی نے واضح محسوس کیا تھا۔ آنکھوں میں آنسو لئے انہوں نے اپنے بھائی کو دیکھا جو بت بنا ان دونوں پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔

''چلو۔'' امام جہانزیب نے اسکے گرد بازو پھیلاتے ہوئے کہا تھا۔

سارے عالم میں خاموشی چھا گئی تھی جیسے ساری دنیا خالی ہو گئی ہو اور باقی کچھ نہ بچا ہو۔ طلسہ امام جہانزیب کے ساتھ مڑ گئی تھی۔ ان دونوں کے قدم لاؤنج کے دروازے کی سمت تھے۔

''دھک دھک'' بازل تہمان کا دل زور و شور سے ایڑھیاں رگڑنے لگا۔ وہ دونوں دروازے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ بازل کی ریڈش براؤن آنکھیں سرخ جھیل کا منظر پیش کرنے لگی تھیں جسے اس نے گہرا سانس بھر کر تپتے سرخ بنجر صحرا میں بدل دیا تھا۔

وہ ہنوز پلک جھپکائے انہیں دیکھے جا رہا تھا۔ طلسہ نے اپنے پاپا کے ساتھ باہر قدم رکھ دیا۔

''تمہاری آنکھوں کے سامنے جاؤں گی اور تم کچھ نہیں کر پاؤ گے۔'' طلسہ کے کبھی کے کہے جملے اسکی سماعتیں جلانے لگے تھے۔ لاؤنج کا دروازہ بند ہو گیا۔ طلسہ مکمل طور پر اسکی نظروں سے اوجھل تھی۔

جب تم تھے میری شام میں تھا صبح کا عالم
تم جب سے گئے شام جھلکتی ہے سحر میں

اس نے ہابی کا ہاتھ چھوڑا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''بازل! رکو۔'' ہابی اسکے پیچھے بھاگی تھیں مگر تب تک وہ دروازہ لاک کر چکا تھا

❖......❖......❖

آج خان اور رابیل کے ولیمہ کا فنکشن تھا۔ کبیر اینٹرینس پر کھڑا مہمانوں کو ویلکم کر رہا تھا۔ اسکی نظریں ایک ہی شخص کی منتظر تھیں اور اسکا انتظار اب جا کر ختم ہوا تھا۔ ہاتھوں میں سفید بکے پکڑے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلائے وہ بڑی وجاہت و وقار کے ساتھ اسکی جانب آیا تھا۔

''السلام علیکم۔'' گرم جوشی سے سلامتی بھیجی گئی۔

''وعلیکم السلام مسٹر بازل تہمان! کیسے ہیں آپ؟'' کبیر نے سلام کا جواب دیکر نہایت اشتیاق سے اسے دیکھتے ہوئے پر تپاک لہجے میں پوچھا۔

''آپ کی آمد ہمارے لئے بہت خوشی کا باعث ہے۔ تھینکس فار کمنگ۔'' کبیر نے خوشی سے کہا۔

''ارے آپ تو مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔'' بازل نے عاجزی سے کہا تو کبیر واقعی متاثر ہو گیا۔

''میں نے جتنا آپ کے بارے میں سنا تھا اور سوچا تھا آپ تو اس سے بھی بڑھ کر اچھے انسان ہیں۔ آپکی قسمت واقعی اتنی اچھی ہونی چاہئے تھی جتنی ہے۔ آپ واقعی سب لوگوں کا پیار و محبت ڈیزرو کرتے ہیں۔'' کبیر نے بریا کو سوچتے ہوئے خلوص دل سے کہا تھا جبکہ لوگوں کے پیار و محبت کا سن کر بازل تہمان کے چہرے پر ایک سایہ ابھر کر معدوم ہوا تھا۔

''تھینکس۔'' بہت دھیمے سے کہتے ہوئے اسکی نظریں سٹیج کی جانب اٹھیں تو وہیں منجمد ہو کر رہ گئیں۔

مسکراتا ہوا چہرہ اسکی نظروں کے سامنے تھا وہ چہرہ جسے دوبارہ کبھی نہ دیکھنے کا اسے یقین سا ہو گیا تھا۔

''ی......'' یہ ٹوٹے سے الفاظ بازل کے منہ سے نکلے تھے۔ کبیر نے اسکی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ رابیل کی کسی بات پر مسکراتی بریا اسکی نگاہوں کے سامنے تھی۔ اس نے واپس نگاہوں کا رخ بازل کی جانب کیا جو ایسے بت بنا کھڑا تھا جیسے دوبارہ کبھی نہ ملے گا۔

''مسٹر بازل تہمان!'' کبیر نے اسے پکارا مگر وہ ایسے کھڑا رہا جیسے سنا ہی نہ ہو۔

''مسٹر بازل تہمان!'' اس بار اس نے اسکا بازو ہلایا تھا۔ بازل یکدم ہڑبڑایا۔

''ہوں......ہوں۔ کیا ہوا؟''

''آپکو کیا ہوا مسٹر بازل تہمان! ایسے کیا دیکھ رہے تھے۔'' پھر اس نے جان بوجھ کر بریا کی جانب دیکھا۔

''شی از بریا میری ہونے والی وائف۔'' اس نے وائف لفظ پر زور دیا۔

بازل کا چہرہ یکدم تاریک پڑا۔ اس نے حیران کن سوالیہ نظروں سے کبیر کی جانب دیکھا تھا۔

''آر یو شور؟'' بازل نے بہت مشکل سے آوز کو مضبوط بنا کر پوچھا تھا لیکن اسکا کھوکھلا پن واضح محسوس کیا جا سکتا تھا۔

''یس افکورس شی۔ از بریا مائی فیانسی۔'' کبیر نے پر اعتماد انداز میں کہا۔ ''آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

بازل نفی میں سر ہلا کر پھیکا سا مسکرایا تھا پھر گہرا سانس لے کر اسے مبارکباد دی۔

''Congratulations''

اس نے کبیر کی جانب ہاتھ دوبارہ بڑھایا۔ کبیر نے فوراً اسکا ہاتھ تھاما اور گرم جوشی سی بولا۔

''تھینک یو ویری مچ۔ آپکو میری شادی میں ضرور آنا ہوگا۔''

''جی میں ضرور آؤں گا۔''

وہ بمشکل دس منٹ وہاں رکا تھا۔ منتشر سوچوں کو جھٹکنے کے لئے اس نے کافی ٹائم بتایا تھا مگر تہی داماں رہا۔

دیر رات جب وہ واپس ہوٹل اپنے کمرے میں داخل ہوا تو بہت زیادہ تھکا ہوا تھا اور بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ کوٹ اور اور ویسٹ کوٹ اس نے آتے ہی اتار پھینکے تھے جبکہ ٹائی ڈھیلی کر کے ایسے ہی لٹکے رہنے دی۔ صوفے پر بیٹھ کر اس نے اپنے جیل سے جمے بالوں میں ہاتھ پھنسا لیے۔ اسکے پورے وجود میں ہی بے چینی و اضطراب پھیلا ہوا تھا کسی صورت اسے چین نہیں آ رہا تھا۔

آج اتنے عرصے بعد اس نے اسے دیکھا تھا جسے دیکھنے کی امید مر سی گئی تھی۔ اسے دیکھنے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی اسکے بارے میں جاننے کی لیکن جب سے اسے دیکھا تھا اسکے بارے میں جاننا تھا۔ عجیب سے اضطراب اور وسوسوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ بالوں کو جھٹکے سے چھوڑ کر اس نے موبائل اٹھا کر اپنے لائر سے بات کی تھی۔ بات کرنے کے بعد اس نے فون ٹیبل پر اچھالا اور صوفے کی پشت پر نیم دراز ہو گیا۔

ایک عجیب سا ڈر تھا جو اسکے پورے وجود میں سرایت کر رہا تھا۔ سگریٹ جلا کر اس نے لمبا سا کش لیا تھا۔ آنکھیں موندنے پر ایک چہرہ جھٹ سے مسکرایا تھا۔ سگریٹ پر سگریٹ سلگا کر اس نے پورے کمرے میں گھٹن

بھری کثافت پیدا کر دی تھی۔ اسکا سر بہت دکھ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ سے پیشانی کو مسلا۔

''میں دبا دوں؟'' تصورات پھر سے شروع ہو چکے تھے۔

''میرے لئے اعزاز کی بات ہو گی۔''

اس نے پیشانی سے ہاتھ ہٹا لیا تھا۔ بہت نرم سا لمس اسکے ماتھے سے ٹکرایا۔ نرم و گداز ہاتھ اسکے درد کو ختم کر رہا تھا۔ اس ہاتھ کی گرمائش اسکے دماغ کو سکون پہنچا رہی تھی۔

''کیا تم نے مجھے واقعی چھوڑ دیا؟'' اسکی مدھم سے سرگوشی ابھری تھی۔

''کیا واقعی اتنا برا ہوں کہ پہلے اللہ مجھ سے ناراض ہوا اور اب تم۔''

پیشانی پر موجود ہاتھ کو اس نے پکڑ کر دل پر رکھ کر اس پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے تھے۔

''اتنی ناراض ہو مجھ سے کہ مجھ سے منسلک تمام رشتے ختم کر دیئے تم نے۔ تم سن رہی ہو اس دل کی دھڑکن صرف تمہارے لئے واپس زندہ ہوئی ہے۔''

اسکی آنکھیں تھکن سے بند ہونے لگی تھیں۔ وہ انسومنیا کا پیشنٹ بن گیا تھا۔ رات رات بھر جاگتا تھا لیکن اب اس پر نیند کا غلبہ ہونے لگا تھا۔ ہمیشہ ایسے ہی ہوتا تھا جب اسکا وجد بلندیوں پر پہنچتا تھا وہ یونہی اسے اپنے آس پاس پا کر ہر شے سے غافل ہو جاتا تھا۔

''دیکھو پلیز، مجھے چھوڑ نا مت ورنہ میں اس بار واقعی مر جاؤں گا۔''

اسکے لب بہت بھاری ہو رہے تھے۔ اسکی بڑبڑاہٹ شاید وہ خود بھی سن نہیں پا رہا تھا۔

''تم نے صحیح کہا تھا، مجھے میرے کیئے کی سزا ضرور ملے گی اور دیکھو مجھے مل رہی ہے۔''

وہ نیند میں جاتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''میں تو اب یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میرے پاس واپس آ جاؤ۔''

اسکا دماغ مکمل طور پر سن ہو گیا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت زائل ہو چکی تھی۔ نیند مکمل طور پر اس پر قابض ہو گئی تھی۔

۞......۞......۞

جب وہ میٹنگ ہال میں داخل ہوئی تو کبیر، رامس اور خان کے علاوہ اور بھی چند لوگ وہاں موجود تھے۔ سب کو سلام کرتی وہ خان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ کبیر اور رامس اسکے سامنے والی سیٹ پر براجمان تھے۔

''تھینک گاڈ تم آ گئی۔'' اسکے بیٹھتے ہی خان نے کہا تھا۔

''انہیں تو آج آنا ہی تھا۔''

کبیر کی معنی خیز بات پر وہ ہولے سے مسکرا گئی۔ اس نے زیادہ غور کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

''ویسے آپ لگ بہت پیاری رہی ہیں۔'' رامس نے بھی اپنا حصہ ڈالا تھا۔

بریا نے سفید پاجامہ فراک پہنی ہوئی تھی جس پر ہلکے گلابی رنگ کا دھاگوں کا کام ہوا تھا۔ وہ ان لوگوں کی اس طرح کی گفتگو سے بے زار ہونے لگی تھی۔ پاپا اور جبار اکبر کی بروقت آمد پر اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ ہال کھچا کھچ لوگوں سے بھرنے لگا۔ سب نے اپنی اپنی نشست سنبھالی تھی۔ صرف ایک ہی کرسی خالی پڑی تھی۔ شاید آنے والا لیٹ تھا تبھی سب اپنی اپنی گفتگو میں مصروف تھے۔

وہ اپنے سامنے پڑے خالی پیپر پر غیر دماغی سے آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔ وہ وہاں موجود ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں تھی۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ کوئی میٹنگ ہال میں داخل ہوا۔ سب ہی اسکی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ جس نے سب کو آہستگی سے سلام کیا تھا سوائے بریا کے کیونکہ وہ تو اپنی ہی دنیا میں مگن تھی جبکہ اسکے پاپا حیران نظروں سے سے اس آنے والے کو دیکھ رہے تھے جو ہلکی سی مسکراہٹ لئے جبار اکبر کے پاس آیا تھا۔ اسکے آتے ہی جبار اکبر اور کبیر دونوں ہی کھڑے ہو گئے تھے۔

کبیر نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے پہلے چہرہ جھکائی بریا کو دیکھا پھر حیران و پریشان سے اسکے پاپا کو۔ اس نے ہی جبار اکبر کو منع کیا تھا انہیں کچھ بھی انہیں بتانے سے۔

''مسٹر بازل تہمان! کیسے ہیں آپ؟'' جبار اکبر نے پرتپاک انداز میں پوچھا تھا۔ بریا کے ہاتھ یکدم ساکن ہوئے تھے۔

''الحمدللہ، ایم پرفیکٹلی فائن ناؤ۔''

آواز بریا کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ اس آواز کو وہ لاکھوں میں بھی پہچان سکتی تھی۔ اگر سات پردوں سے بھی

یہ آواز آتی تو اس پہچاننے میں قطعی دشواری نہیں ہوتی۔ دھک دھک، اسکا دل بہت آہستہ لیکن پرزور آواز میں دھڑک رہا تھا۔ پین اسکے ہاتھ سے کپکپا کر گرا تھا۔

''ایکسکیوزمی پلیز۔'' اچانک ہی کبیر کی آواز ابھری تھی۔

''ان سے تو آپ سب واقف ہی ہوں گے لیکن پھر بھی ہم اپنے مہمان خصوصی سے آپکا تعارف کروادیتے ہیں۔ یہ ہیں مسٹر بازل تہمان۔''

بریا کی آنکھیں لوہے کی ہوگئی تھیں۔ اتنی بھاری کہ چاہ کر بھی اٹھ نہیں پارہی تھیں۔

''تہمان گروپ آف انڈسٹریز کے اونر۔''

نام کے ساتھ ایک اور تصدیق بھی ہوگئی تھی۔ اسکی ہتھیلیاں پسینے سے شرابور ہونے لگیں۔ دل کی دھڑکن دھیرے دھیرے بڑھنے لگی تھی۔ کبیر تعارف تو بازل کا کروارہا تھا لیکن اسکی نگاہیں بریا پر جمی ہوئی تھیں جسکا چہرہ اس وقت بے بس و مضطرب لگ رہا تھا۔

''بہت ہی کمپیٹیٹر ہیں۔ جیتنا انکی عادت ہے پھر چاہے وہ بزنس ہو دل ہو یا پھر بیماری۔ حال ہی میں بہت مہلک بیماری کو مات دی ہے انہوں نے۔ اپنی جیتنے کی صلاحیت سے موت کے منہ سے لوٹے ہیں یہ۔''

بازل تہمان سنجیدہ سا کھڑا تھا۔ اسکی نظریں اپنی سب سے مطلوب ترین ہستی کا طواف کرکے واپس لوٹ گئی تھیں جبکہ کبیر کے الفاظ نے بریا کو پتھر کا بت بنا دیا تھا۔ پتھر کا بت جو ہلنے جلنے یہاں تک کہ سانس لینے سے بھی قاصر تھا۔ اسکی سانسیں رک رہی تھیں۔ دل اس بری طرح سے دھڑک رہا تھا کہ گویا ابھی باہر نکل آئے گا۔

''موت کے منہ سے نکلے ہیں یہ۔''

یہ جملے پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اسکی سماعت کو جلا رہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا وہ اپنی سماعت کھودے گی۔ اسکا وجود تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ آنکھیں لبا لب پانی سے بھری جارہی تھیں۔ وہ بازل کو دیکھنا چاہتی تھی مگر پلکوں کی باڑ ایسے گری تھی کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

میٹنگ شروع ہوکر بھی ختم ہوگئی تھی۔ اسے پتا نہ چلا۔ ہوش تو تب آیا جب اسکے پاپا اسکا ہاتھ تھام کر اسے ڈنر ہال میں لائے تھے۔

وہ پاپا کے ساتھ کھڑی اپنی غلطیوں پر ماتم کر رہی تھی۔ نادم، پریشان اور دکھی سی۔ بہت سکت باندھ کر خود کو سمجھا بجھا کر اس نے نظریں اٹھائی تھیں۔ وہ جیسے کھڑی کھڑی زمین بوس ہوگئی تھی۔ اسکا دل بیٹھ گیا تھا۔ آنسو بہت تیزی سے گرنے لگے تھے۔ کتنا ویک ہوگیا تھا وہ۔ آنکھوں کے نیچے کتنے ہلکے پڑ گئے تھے۔ اسکے رنگت کیسی بجھ سی گئی تھی۔ کمزور ہونے کے سبب اسکے گالوں کی ہڈیاں بھی واضح دکھ رہی تھیں۔ اس نے فوراً نظریں گرا لیں۔ اس سے زیادہ دیکھنے کی تاب نہیں تھی اس میں۔

آہستہ آہستہ سب جانے لگے تھے وہاں سے۔ وہ بھی سب سے اجازت طلب کرتا آخر میں اسکے پاپا کے پاس آیا تھا اور مدھم سی آواز میں ''اللہ حافظ'' کہہ کر پلٹ گیا تھا۔ بازل تہمان اسکی سائیڈ سے نکلا تھا۔ اس نے بے چین ہو کر پلٹ کر اسے دیکھا جسکے قدم بہت تیزی سے دروازے کی سمت بڑھ رہے تھے۔ وہ اسکی نظروں سے دور ہونے لگا تھا۔ اسکے آنسو روانی پکڑ گئے۔

''موت کے منہ سے نکلے ہیں۔''

اسکی آوز اڑ سی گئی تھی۔ گلاس ڈور کھل گیا تھا۔ بازل تہمان نے باہر قدم رکھا تھا اور وہ خود کو روک نہ پائی۔

''بازل!'' بے اختیار اونچی آواز میں لوگوں کی پرواہ کیے بغیر اس نے اسے پکارا تھا مگر جب تک آوز اسکے حلق سے برآمد ہوئی وہ ڈور کراس کر چکا تھا۔ اسکے پاپا سمیت سب نے چونک کر اسکی جانب دیکھا تھا۔ وہ کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر باہر کی طرف بھاگی تھی لیکن جب تک وہ پہنچی اسکی گاڑی جا چکی تھی۔ صرف ایک جھلک تھی جو اس نے دیکھی تھی۔

خان بھاگتا ہوا اسکے پاس آیا۔

''بری! آر یو اوکے؟'' وہ پریشان ہوگیا تھا۔

''خان...... خان مجھے انکے پاس جانا ہے۔ مجھے پوچھنا ہے وہ بم...... بیماری۔'' وہ بری طرح اٹکنے لگی تھی۔ آنسوؤں کا پھندا اسکے حلق کو بری طرح جکڑے ہوئے تھا۔

''ریلیکس بریا۔ تمہیں جاننا ہے نا اسکے ساتھ کیا ہوا۔ میں بتاتا ہوں پر پہلے تم چپ ہو جاؤ۔''

باقی سب بھی آ چکے تھے۔ کبیر نے اسے شروع سے لے کر آخر تک تمام روداد کہہ ڈالی تھی۔ دکھ و ملامت سے

وہ مری جا رہی تھی۔ کتنی سبکی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے کتنا پچھتاوا ہو رہا تھا اپنی نادانیوں پر وہ اپنے پاپا کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"آج تک آپنے جو کہا کیا میں نے مانا" رندھے ہوئے لہجے میں وہ کہہ رہی تھی۔ "بازل تہمان سے ملنے، فون پر بات کرنے سے منع کیا تو میں نے وہ بھی کیا۔ اسکے بارے میں جاننے کی کوشش بھی نہیں کی، وہ کیسا ہے، کیا کر رہا ہے، کہاں ہے میں نے دل پتھر کر لیا اس سے لیکن ایک امید تھی کہ شاید وہ مجھے لینے آئے لیکن ایسا نہ ہوا۔"

وہ سسکی لیتے ہوئے رکی تھی۔

"آپ نے کہا خود کو سنبھالوں، اسے یاد نہ کروں، اسکے غم میں مبتلا نہ رہوں۔ اسے بھول جاؤ میں نے اسکی بھی کوشش کی لیکن پلیز پاپا اب نہیں۔"

اس نے اپنے پاپا کے دونوں ہاتھ تھام لئے تھے۔

"مجھے جانے دیں پاپا، پلیز ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔" اس نے روتے ہوئے التجا کی تھی۔ اسکے پاپا نے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

✡......✡......✡

وہی لوگ تھے، وہی جگہ تھی اور وہی نظارے تھے۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا اس عرصے میں۔ ہنوئی کا موسم آج بھی اتنا ہی خوبصورت تھا جتنا پہلے تھا۔ کیب سے اتر کر وہ گیٹ کی طرف بڑھی تھی۔ گارڈ نے حیرت سے اسے دیکھ کر گیٹ کھولا۔ وہ دبی مسکراہٹ کے ساتھ اندر داخل ہوگئی تھی۔ لاؤنج کے دروازے پر اب گارڈ نہیں تھا۔ بہت سی یادیں جیسے تازہ ہونے لگیں۔ براؤن شال شانوں پر پھیلائے وہ اس خوبصورت ڈسٹ لیس لاؤنج کو تکنے لگی تھی جس سے اسکی بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ وہ کھو سی گئی۔

"میم آپ؟" سینڈی نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اس نے مسکرا کر اسکی جانب دیکھا اور حال پوچھنے کے بعد بولی۔

"بازل کہاں ہیں؟"

"سر ٹیرس پر ہیں۔" سینڈی کے تو چہرے کے ساتھ ساتھ آواز سے بھی خوشی کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔

سینڈی کے بتانے پر وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھی۔ ریلنگ پر ہاتھ رکھ کر وہ جیسے ایک بچھڑے ہوئے احساس کو محسوس کر رہی تھی۔ اپنے کمرے کو اس نے بہت اپنائیت سے دیکھا تھا۔ بازل تہمان کے کمرے کے سامنے رک کر اس نے دروازہ کھولا اور مسکراتی نگاہوں سے دیوار کی جانب دیکھ کر اسے بند کر دیا۔

وہ ٹیرس کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ آخری سیڑھی کو بھی اس نے عبور کر لیا تھا۔ بہت خوبصورت ہوا چل رہی تھی۔ اسکے بال ان رقص کرتی ہواؤں کے ساتھ اڑنے لگے۔ شال کو سنبھالتی وہ اسکے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے بڑی تسلی سے بازل کے حلیے پر غور کیا تھا۔ براؤن پینٹ اور وائٹ شرٹ کے ساتھ بکھرے بالوں میں وہ بہت رف سا لگ رہا تھا۔ آج تو اس نے اپنا موسٹ فیورٹ ویسٹ کوٹ بھی نہیں پہنا تھا۔ ویسٹ کوٹ سے جیسے اسے عشق سا تھا۔ کوٹ پہنے نہ پہنے ویسٹ کوٹ وہ لازمی پہنے رکھتا تھا۔ پھر چاہے وہ گھر ہو یا آفس۔

ریلنگ پر کہنیوں کے سہارے جھکے وہ گھر کی بیک سائیڈ پر نظریں ٹکائے ہوئے تھا۔ وہ مسلسل سگریٹ سلگا رہا تھا۔ اسے اسکا سگریٹ سلگانا ناگوار گزرا۔ اس نے بہت ہمت جمع کی اسے پکارنے کے لئے۔

''بازل'' بہت مشکل سے اس نے پکارا تھا۔

بازل ہلکا سا مسکرا کر مڑا، اسے دیکھا اور پھر واپس پہلے والی پوزیشن میں چلا گیا۔ پہلی بار اس نے بازل کی آنکھوں میں بنجر پن دیکھا تھا۔ تاثرات سے عاری چہرہ اسے ڈرا گیا۔

''اتنے ناراض ہیں مجھ سے کہ مجھے دیکھنا تک گوارہ نہیں ہے آپ کو۔''

اسکی آنکھیں پھر نم ہونے لگی تھیں۔

بازل نے فوراً مڑ کر دیکھا تھا۔ اس طرح کے دھوکے تو اسے اکثر ہوا کرتے تھے۔ اکثر اسے لگتا تھا جیسے وہ اسکے آس پاس ہے۔ اسے بلا رہی ہے اس سے بات کر رہی ہے۔ سوالیہ نظروں سے وہ اسکی طرف دیکھ رہا تھا اور جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ واقعی وہ اسکے سامنے کھڑی ہے یا یہ بھی نظروں کا دھوکا ہے۔

وہ بازل کے اس طرح سوالیہ انداز میں دیکھنے پر روہانسی ہو گئی تھی، بمشکل بول پائی۔

''آپ نے مجھے پہچانا نہیں بازل، میں...... میں اپکی طلسہ ہوں۔'' اس نے دلگیر لہجے میں کہا۔

ہاں وہ طلسہ ہی تھی جب امام جہانزیب اسے بازل کے گھر سے لے کر گئے تو وہ اس وقت رات میں بازل

سے ہونے والی تلخ گفتگو کے صدمے میں تھی۔ کچھ بھی سمجھنے سوچنے کی صلاحیت سے محروم وہ اپنے پاپا کے ساتھ آ گئی تھی لیکن جب تھوڑا سنبھلی اور اسے پتا چلا کہ وہ بازل کو چھوڑ آئی ہے تب وہ بہت روئی تھی پر پاپا نے اسے جانے سے منع کر دیا۔ اسے ایک امید تھی کہ شاید بازل اسے لینے آئے مگر وہ منتظر ہی رہی۔ پاپا اپنا تمام کاروبار سمیٹ کر دوبئی شفٹ ہو گئے تھے۔ زندگی بھلے نئے ڈگر پر شروع ہو چکی تھی مگر زندگی کے نئے سفر میں وہ بہت پرانی مسافر تھی جسے ان رعنائیوں سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ تو بس اپنے ہی ماضی میں جیئے جا رہی تھی وہ ماضی جو بہت حسین اور بے وقوفیوں سے بھرا ہوا تھا۔

طلسہ کا دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبنے لگا۔ بازل کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسکے گھر میں اسکے سامنے کھڑی ہے۔ وہ چھو کر تصدیق کرنا چاہتا تھا لیکن ڈر تھا روز کی طرح آج بھی وہ کہیں غائب نہ ہو جائے۔

وہ لب کاٹتی اسے دیکھ رہی تھی جو جانے کن بے اعتبار نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسکا وجود ڈر کی زنجیروں میں جکڑنے لگا۔

''آپ......آپ نے مجھ سے شادی کی تھی۔ میں تقریباً دو سال آپ کے ساتھ اس گھر میں رہی تھی۔'' اسکی آواز رندھ گئی تھی اور آنکھیں بہنے لگی تھیں۔

''اسی گھر میں ہابی، صوفی اور شامہ بھی سمر ویکیشنز میں آئی تھیں۔ سیڑھیوں سے دائیں والے کمرے میں رہتی تھی میں۔'' وہ کہے جا رہی تھی۔ بازل کی آنکھوں میں خوشی بھری حیرت ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

''آپ نے مجھے پہچان لیا نا؟''

بازل کی آنکھوں میں شناسائی کی رمق دیکھنے کے باوجود اسکی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔

''تم مجھے واقعی کبھی نہیں سمجھ پاؤ گی طلسہ۔'' اس نے واقعی پر زور دیا تھا۔ اسکے کہتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ کتنا عرصہ ہو گیا تھا اسے اپنا نام اسکے منہ سے سنے ہوئے۔ وہ نام جو صرف اسکے منہ سے ہی سننے کی متمنی تھی وہ۔

''میں آپ سے بہت ناراض ہوں بازل، بہت زیادہ۔ آپ نے مجھے اتنا پرایا سمجھ لیا کہ ایک بار بھی مجھے اپنی بیماری کا نہیں بتایا۔''

اسکی بیماری کا ذکر کرتے ہوئے طلسہ کے آنسوؤں میں روانی آ گئی

''میرے جانے کے بعد ایک بار بھی میری خیریت نہیں پوچھی۔ایک بار بھی مجھ سے ملنے یا مجھے لینے نہیں آئے۔'' وہ بہت دلجمعی سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔بازل مسکراہٹ دبائے اسکے شکوے سن رہا تھا۔

''پتا ہے اس تمام عرصے میں میں کتنا اذیت میں مبتلا رہی ہوں، کتنی تکلیف سہی ہے میں نے۔آپکو اندازہ بھی ہے اس بات کا۔'' وہ مسلسل بولے جا رہی تھی اور بازل سینے پر ہاتھ باندھے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''مانا میں نے بہت غلطیاں کی ہیں، بہت غلط سمجھا ہے میں نے مگر اس سب کا یہ مطلب تھوڑی تھا کہ آپ مجھے پرائیوں کی طرح خود سے الگ کر دیں۔آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ شامہ عبد کی وائف ہے۔کیوں مجھے غلط سمجھنے دیا۔بہت برے ہیں آپ۔''

بازل اب اسکی باتوں سے محظوظ ہونے لگا تھا۔اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔

''مس بریا! آپکی کبیر کے ساتھ شادی کب ہے؟''

حیرت و بے یقینی طلسہ کی آنکھوں میں پھیلی تھی یعنی کہ حد ہی ہوگئی۔وہ غصے میں آ گئی جیسا کہ بازل نے سوچا تھا وہ وہی کہہ رہی تھی وہ بالکل نہیں بدلی تھی۔

''کیا کہا آپ نے، میری اور کبیر کی شادی؟''

غصے سے اسکی آواز تیز ہوگئی۔بھلے کبیر نے اسے سب بتا دیا تھا لیکن وہ بازل سے اس سوال کی توقع ہرگز نہیں کر رہی تھی تلملا کر بھڑک اٹھی۔

''آپ کو شرم آنی چاہیے اس طرح کی بات کرتے ہوئے بھی۔اپنی بیوی کو کسی دوسرے سے منسوب کر رہے ہیں، آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں آپ کے علاوہ کسی اور کو اپنی زندگی میں داخل کروں گی۔میں صرف آپ سے محبت کرتی ہوں اور......'' وہ ایک دم رک گئی تھی۔بازل نے اپنے لبوں پر سرشاری سی مسکراہٹ آنے دی۔وہ اپنی زبان پھسل جانے پر خجل سی ہوگئی۔

''اینڈ نیور کال می بریا اِٹس مائی سیکنڈ نیم بٹ آئی لو طلسہ۔''

اسکی پیدائش پر امام جہانزیب نے بہت چاؤ سے اسکا نام طلسہ رکھا تھا لیکن تہمینہ کو یہ نام تھوڑا عجیب لگا، سو

انہوں نے اسکا نام بریار کھ دیا۔ یوں اسکے دو نام ہوتے تھے۔ کبھی اسے طلسہ کہہ کر پکارا جاتا تو کبھی بریا لیکن جیسے ہی اس نے ہوش سنبھالا اس نے خود کو طلسہ کہلوانا شروع کر دیا تھا کیونکہ اسے یہ نام بہت پسند تھا۔ یوں بھی یہ نام اس کے ڈاکومنٹس میں بھی تھا۔

بازل تہمان کے فراق میں اس نے سب سے درخواست کی تھی کہ کوئی اسے طلسہ نہ کہہ کر پکارے کیونکہ اس نام سے اس دشمن جاں کی یاد اسے بے حال کر دیتی تھی۔

''خیر آپ کو اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ تو ہمیشہ مجھ سے دستبردار رہے ہیں۔'' اسکے شکوے ابھی تک ختم نہیں ہوئے تھے۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو طلسہ مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔'' اس نے مدھم آواز میں سنجیدگی سے کہا۔

''پر اس بات کو جو ٹھیک ہے آپکو غلط ثابت کرنا ہے اور میں چاہتی ہوں آپ ایسا کریں۔'' آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے بازل کی جانب دیکھا تھا۔

''تم جانتی ہو طلسہ! میں نے تم سے شادی کیوں کی تھی؟''

جو بات وہ ہمیشہ پوچھتی آئی تھی آج وہ وہی بات کر رہا تھا۔ بازل تہمان نے ریلنگ سے ٹیک لگا کر اپنا دائیاں پاؤں اس کی جالی میں رکھا اور گہرا سانس بھرتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا۔

✡......✡......✡

بازل تہمان مشہور بزنس مین عالم تہمان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ انکی طرح ہی قابل اور لائق۔ بیس سال کی عمر میں ہی اس نے پڑھائی کے ساتھ ساتھ اپنے بابا کا بزنس جوئن کر لیا تھا اور پڑھائی کے ختم ہوتے ہی وہ بزنس کی دنیا میں ایک ابھرتا ہوا ستارا اور اپنے نام سے جانا جانے لگا تھا۔ یہ اسکی اور عالم تہمان کی بہت بڑی جیت تھی۔ اپنی زندگی میں ہی انہوں نے اپنے بیٹے کو کسی قابل کر دیا تھا۔

عالم تہمان اور جمائمہ تہمان نے اپنے بیٹے کی تربیت بہت اچھے طریقے سے کی تھی کہ چھوٹی عمر سے ہی بہت اچھا و ذمہ دار بھائی و بیٹا ثابت ہوا تھا اور اس پر یقین کی مہر تب لگی جب اسکے والدین کی ڈیتھ ایک ہوائی حادثے میں ہوئی تھی۔ وقتی جھٹکا تھا لیکن بازل نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ ہابی چونکہ اس سے دو سال بڑی تھیں اسلئے عالم

تہمان نے اپنی زندگی میں ہی انکی شادی بازل کے کالج کے دوست غضنفر سے کر دی تھی۔
تہمان گروپ آف انڈسٹریز کی برانچز دنیا بھر میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اسپین میں موجود انکی کمپنی غضنفر، یوگنڈا میں عبد جب کہ کراچی میں مقیم انکی کمپنی کا چارج احمد چغتائی کے ہاتھ میں تھا۔ اسکے علاوہ یو کے اور لندن میں بھی اسکی کمپنی اپنی دھاک بٹھائے ہوئے تھی۔
انکی کمپنی کی مین برانچ ہنوئی میں تھی جسے بازل خود سنبھالتا تھا۔ ہنوئی شہر بازل کے لئے بہت اہم تھا۔ یہ وہی شہر تھا جہاں اسکے والدین نے اپنی زندگی کے پچیس سال گزارے تھے۔ عالم تہمان کا تعلق پاکستان سے تھا جبکہ جمائمہ اٹلی سے تعلق رکھتی تھی۔ ان دونوں کی ملاقات ہنوئی میں ہی ہوئی تھی۔ یہ شہر ان دونوں کو اتنا بھایا کہ یہیں اپنا مسکن بنا لیا۔
کام کی وجہ سے وہ پاکستان آیا تھا۔ فروری کے گزرتے کھٹے میٹھے موسموں کا دن تھا۔ کراچی کا موسم بھی خوشگوار تھا۔ وہ اپنے پی اے کے کہنے کے باوجود ڈرائیور کو لے کر نہیں آیا تھا۔ وہ احمد چغتائی کے گھر جا رہا تھا جب راستے میں طویل ٹریفک جام میں وہ پھنس گیا۔
شدید جھنجھلاہٹ کے باعث وہ مسلسل اسٹیئرنگ پر انگلیاں بجا رہا تھا اور ساتھ ساتھ ریسٹ واچ پر بھی نظر دوڑا لیتا۔ گاڑی کا شیشہ فولڈ کرتے ہوئے وہ موبائل پر اپنی میلز چیک کر رہا تھا۔ وہ اپنی ہی دھن میں موبائل پر نظریں جمائے ہوئے تھا جب ایسے ہی بے سبب اس نے نظریں اٹھائیں۔ سر پر دوپٹہ جمائے مسکراتی سی وہ لڑکی ڈھیر سارے شاپنگ بیگز اوپر کو اٹھائے اسکی گاڑی کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ اسکے ساتھ دو اور لڑکیاں بھی تھیں۔ اپنے ساتھ چلتی چھوٹی سی لڑکی کی کسی بات پر وہ دبی آوز میں ہنسی تھی۔ اس ہنسی نے بازل کے دل کی دھڑکنیں چرا لیں۔ ایک پل میں اسکا دل حسین لے پر دھڑکنے لگا تھا۔ محبت کی دیوی اڑتی ہوئی آئی اور اس پر اور اسکے دل پر چاہتوں کی پھونک مار کر چلی گئی۔ سن گلاسز اتار کر وہ اس ہستی کو دیکھنے لگا۔ کتنا اپنا اپنا سا لگا تھا بازل کو وہ چہرہ جیسے برسوں کا شناسا ہو۔ زندگی سے بھرپور مسکراتا ہوا دل موہ لینے والا چہرہ۔ بازل مسمرائز ہوتے ہوئے اسے دیکھے جا رہا تھا یہاں تک کہ وہ اسکی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔
اسکے جاتے ہی جیسے وحشت و خالی پن سا اس پر سوار ہوا تھا۔ بے چینی بڑھنے پر وہ ڈسٹرب ہو گیا۔ پہلی

فہرست میں اسکے بارے میں پتا لگوایا اور یہ جان کر اسے دلی صدمہ پہنچا تھا کہ وہ چند دن بعد کسی اور کی ہونے والی ہے۔ اس نے دل کو سمجھا کر دماغ سے کام لیا اور وقتی جذبات جان کر اپنے کام پر فوکس کرنے لگا لیکن جیسے جیسے اسکی شادی کے دن قریب آرہے تھے وہ عجیب سی چڑچڑاہٹ و بے چینی کا شکار ہو رہا تھا۔ طلسہ کے موبائل کا پورے کا پورا ڈیٹا اسے وصول ہوتا تھا۔ وہ کس سے بات کر رہی ہے، کسے میسجز کر رہی ہے اسکی تصاویر سب کچھ اسے ملتا تھا اور اس سب سے ایک بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ طلسہ کی پیور ارینج میرج ہے۔ اس بات نے قدرے اسکے دل کو ٹھنڈک پہنچائی تھی۔

اس نے ہابی سے اس سلسلے میں بات کی تھی مگر انہوں نے پہلی فرصت میں انکار کر دیا تھا۔ شادی سے پانچ دن پہلے طلسہ نے اسکے دل میں اپنی محبت کے پنجے گاڑے تھے۔ اس دوران وہ رشتہ بھی نہیں لے کر جا سکتا تھا اور جو کرنے کا وہ کہہ رہا تھا ہابی اس بات سے قطعی متفق نہیں تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ بازل کوئی غلط کام کرے لیکن اس نے کیا۔ ہابی کے ناراض ہونے کی پرواہ نہیں کی، شامہ کے رونے کو نہیں دیکھا۔ اس نے وہ کیا جو اسکے دل نے اسے کرنے کو کہا۔

وہ طلسہ کو لے کر ہنوئی آ گیا تھا۔ غضنفر اور عبد کے لاکھ سمجھانے پر کہ وہ طلسہ کو تھوڑا سوچنے کا وقت دے دے اور نکاح ملتوی کر دے لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ لفظوں کا جال بن کر جھوٹ کا دامن تھام کر وہ طلسہ کو اپنی زندگی میں شامل کر گیا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ طلسہ اسکے گھر میں اغوا شدہ کی حیثیت سے رہے۔ اسلئے اس نے اسے فوری طور پر اپنے نکاح میں لیا تھا اور ایسا کر کے وہ انجانے میں طلسہ کو کھو دینے والے خوف سے آزاد ہو گیا تھا۔

وہ خوش تھا۔ بہت خوش۔ ہر کام اچھا کرنے والا بازل تہمان زندگی میں پہلی بار غلط کام کر کے خوش تھا۔ اسے پورا یقین تھا۔ وہ اپنے اس فیصلہ کو درست ثابت کر کے دکھائے گا اور اس سے جو جو بھی متاثر ہوا ہے ان سب کو اس کی تلافی کر کے دکھائے گا مگر یہ اتنا آسان بھی نہیں تھا جتنا وہ سمجھ رہا تھا۔ طلسہ اسکی سوچ سے زیادہ پیچیدہ ثابت ہوئی تھی۔ ہابی اور اسکی باتیں سن کر اس نے کمرے کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ چلو کمرے تک تو ٹھیک تھا مگر اسکا خود کو نقصان پہنچانا اسے پاگل کر گیا۔ اس نے خود کو بھوک ہڑتال کر کے سوکھ کر کانٹا بنا لیا تھا۔ یہ سچوئشن اسکے لئے

ناقابل برداشت تھی۔ یہاں پر وہ فیل ہوگیا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

اسے لگا شاید طلسہ حالات سے سمجھوتہ کر لے لیکن وہ سمجھوتہ کرنے والی شے نہیں تھی۔ سینڈی کے بتانے پر کہ وہ گھر کے ایک ایک حصے کو جانچتی نظروں سے گھورتی ہے اسے شک تو ہوگیا تھا کہ وہ بھاگنے کے منصوبے بن رہی ہے لیکن یقین تھا کہ وہ اتنی آسانی سے وہاں سے نہیں نکل سکتی۔

یہاں بھی طلسہ نے اسے فیل کیا۔ وہ بھول گیا تھا کہ وہ اسے مات دیتی آئی ہے آج بھی دے دی۔ بڑی صفائی و آسانی سے وہ گھر سے نکل گئی تھی۔ طلسہ کا نکلنا اسکی جان نکال گیا تھا۔ وہ جس معاشرے میں رہتا تھا وہاں کے درندوں سے واقف تھا کہ کیسے بھوکے شیروں کی طرح وہ شکار کو چیر پھاڑ دیتے ہیں۔ اسی غصے میں وہ اسکے ساتھ سختی کر گیا تھا۔

طلسہ کی کلائی پر موجود اسکی انگلیوں کے نشان اسے شرمندہ کر گئے تھے۔ اسکی جلن اسے اپنے ہاتھ پر ہونے لگی تھی اس نے بہت پیار سے طلسہ کو سمجھایا تھا مگر شاید وہ سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھی اور اسکی یہ ہٹ دھرمی اسے مزید پریشان کر گئی تھی۔

دوسری طرف ہابی اس سے شدید خفا تھیں۔ نکاح میں بھی نہیں آئی تھیں۔ اس نے سر توڑ کوشش کی ہابی کو منانے کی اور اس میں وہ کامیاب رہا۔ طلسہ کی تنہائی دور کرنے کیلئے اسے ہابی کے سہارے کی بہت ضرورت تھی۔ پھر وہ تھیں بھی اسکی بہن، تمام ناراضگی کو پس پشت ڈال کر آ گئی تھیں۔ یہ اسکی آدھی پریشانی دور کرنے کے لئے کافی تھا۔

وہ جب بزنس ٹوور سے لوٹا تو طلسہ اور صوفی کی دوستی نے اسکا دل ہلکا کر دیا تھا۔ مطلب وہ اسکی فیملی کو اپنی فیملی سمجھنے لگی تھی۔ ہابی سے عزت سے بات کرتی تھی، شامہ کے ساتھ فارمل تھی۔ اسے اور کیا چاہیئے تھا پھر اس نے صوفی کے ساتھ مل کر پلان بنایا تھا۔ "بابا کی جان" یہ لفظ کیسے اسکا چہرہ سرخ کر گیا تھا۔ پتا نہیں وہ خفت سے سرخ ہوا تھا یا حیا سے مگر بازل کو بہت بھایا۔ اس دن لان میں اسکا ہاتھ تھام کر واک کرتے ہوئے اس نے اللہ سے دعا کی تھی کہ اگر وہ اسکے حق میں بہتر ہے تو ہمیشہ اسکا ہی رہے اور شاید وہ اسکے حق میں بہتر نہیں تھا۔ طلسہ سے ملنے سے پہلے بھی اسکی طبیعت اکثر خراب رہتی تھی اور وہ لاپرواہی کر جاتا تھا۔ یہ لاپرواہی اسے لے ڈوبی۔ ٹیسٹ

کروانے پر اسے پتا چلا کہ اسے "بلڈ کینسر" ہے۔
وہ خوب اپنی قسمت پر ہنسا تھا۔ اتنا کہ اسکے ہنسنے پر ہابی لوگوں کے ساتھ ساتھ طلسہ بھی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے لگا تھا وہ پیسے سے ٹھیک ہو جائے گا لیکن وہ بھول گیا کہ پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔ طلسہ کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کی سزا اسے ملنی شروع ہو گئی تھی۔ ہابی کا ڈر وجود میں بدل گیا تھا۔ اسکی بیماری شدت اختیار کرنے لگی تھی۔
اور وہ چپ تھا۔ بے حد چپ اتنا کہ اس نے کانوں کان کسی کو خبر نہیں ہونے دی تھی۔ وہ اپنے سے منسلک رشتوں کو پریشان نہیں دیکھنا چاہتا تھا اسلئے اس نے اسے رازداری میں رکھا۔ ڈپریشن تھا، غصہ تھا۔ اسی غصے اور طلسہ کی بدتمیزی کے سبب اسکا ہاتھ اس پر اٹھ گیا تھا۔ صوفی کی فرمائش پر وہ انہیں گھمانے لے گیا تھا۔ اس دن اسکی طبیعت بھی بوجھل تھی۔ طلسہ کی بے وجہ کی ضد ہنوز اس سے نفرت کرنے والے لفظوں نے اسے جارحانہ روپ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اسے وہاں چھوڑ آیا تھا۔ کسی کے بھی پوچھنے، زور دینے پر اس نے اپنی سخت نظریں انہیں دکھائی تھیں لیکن اندر کا حال تو وہ ہی جانتا تھا پل پل گزرتے وقت میں وہ بے بسی کی انتہا کو پہنچ رہا تھا پھر آخر وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسکے پاس گیا تھا۔
اسے روتے ہوئے پاگلوں کی طرح بھاگتے دیکھ کر بازل کے دل پر مکا پڑا تھا۔ اسے خود پر شدید غصہ آیا۔ کیا وہ ان مردوں میں سے تھا جو اپنی عورتوں کو بیچ راہ کے چھوڑ دے۔ بھلے ہی اسکے گارڈز اسکی نگرانی کر رہے تھے مگر پھر بھی اگر اس نے آنے سے منع کر دیا تھا تو تھپڑ تو وہ مار ہی چکا تھا۔ کھینچ کر لے کر جاتا کہ چلو اس جہنم میں وہ ہی تمہاری اس جگہ ہے، اسی میں تمہاری عزت محفوظ ہے۔ اس رات وہ پچھتاوں کی بھٹی میں خوب جلا تھا۔ پتا نہیں ایسا کیا ہوا تھا جو طلسہ کا رویہ بدل گیا تھا۔ جو بھی تھا اسکا مثبت رویہ بازل کے لئے سکون کا باعث بنا تھا۔ وہ اسکو نظروں کے حصار میں رکھنے لگی اور وہ شرمندگی سے اس سے بچنے لگا تھا۔ ہابی کے ڈانٹنے پر بھی اسکی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ اس سے جا کر معافی مانگ لے۔ اسکے چہرے پر چھپے اپنی انگلیوں کے نشان دیکھنے کی اس میں تاب نہ تھی مگر وہ اسے دیکھتی تھی اس میں کھوتی تھی اور وہ اسکے کھونے میں مرجاتا تھا۔
بازل سے گھبرانا، اس سے کترانا اسے بے اختیار ہو کر دیکھتے رہنا کا مطلب وہ اچھے سے جانتا تھا لیکن کوئی

بھی بڑا فیصلہ لینے سے پہلے وہ بہت سوچ بچار کر رہا تھا۔طلسہ سے علیحدہ ہونا وقت سے پہلے موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔مگر اسے ایسا کرنا تھا اس نے طلسہ کو اپنایا اپنے لئے تھا مگر اسے چھوڑ اس کے لئے رہا تھا اور یہ فیصلہ بازل نے اسکے جل جانے پر کیا تھا۔طلسہ کا جلنا سب سے ذیادہ اذیت کا باعث بازل کے لئے بنا تھا۔جلی وہ تھی لیکن آبلے بازل کے دل پر پڑے تھے۔وہ طلسہ کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن دیکھ رہا تھا۔وہ جلد از جلد اسے صحت یاب ہونے کے بعد یہاں سے بھیجنا چاہتا تھا اس سلسلے میں وہ احمد چغتائی سے بات کر آیا تھا۔

سرجری والے دن ہی اس نے احمد چغتائی کو اپنا کام کرنے کو کہا تھا۔اس دن وہ کافی دیر طلسہ کے پاس بیٹھا رہا۔اس کے بے ہوش وجود سے باتیں کرتا رہا اور اپنے آپ کو سمجھاتا رہا کہ بس اب یہ اسے چھوڑنے والی ہے۔ اس دن کے بعد وہ طلسہ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا لیکن جونہی اسے پتا چلا کہ امام جہانزیب آنے والے ہیں۔وہ واپس آ گیا تھا۔طلسہ سے دوٹوک بات کر کے وہ اسے اپنی زندگی سے دور بھیج رہا تھا۔وہ اس سے بے انتہا محبت کرتا تھا۔طلسہ کے سوال نے اسے بے بس کر دیا تھا۔اس نے اسے خود کے اور شامہ کے رشتے کے بارے میں غلط سمجھنے دیا شاید یونہی وہ اسکے دل سے اتر جائے۔

"کیا میں واقعی آپ کے دل سے اتر گئی ہوں؟"

اس سوال نے اسے پوری رات سونے نہیں دیا تھا۔اس نے زندگی میں پہلی بار اللہ سے شکوہ کیا تھا۔پہلی بار وہ اپنی قسمت سے خفا ہوا تھا۔صبح طلسہ نے اسے چھوڑ جانا تھا۔یہ احساس ہی اسکی حالت خراب کرنے کے لئے کافی تھا۔

پھر وہ وقت بھی آ گیا۔وہ واقعی اسکی نظروں کے سامنے چلی گئی تھی اور وہ کچھ نہیں کر پایا تھا۔بیماری تو پہلے ہی مار رہی تھی اس نے اور خود کو مرنے دیا۔پہلے وہ پھر بھی اپنا خیال رکھ رہا تھا طلسہ کے جانے پر اس نے بالکل ہی ہاتھ چھوڑ دیا۔جس نے اسکی صحت پر بہت برا اثر ڈالا۔اسکی گرتی صحت پر غضنفر تشویش میں مبتلا ہوئے تھے پھر انہیں حقیقت کا پتا چل گیا۔اسکی وجہ سے سب پریشان ہو گئے تھے۔ہابی نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا اسکے گرتے بالوں پر ان کا دل کٹ کٹ جاتا۔اسکے ہر وقت بیڈ پر لیٹنے سے صوفی بھی رو دی تھی۔

"بابا! میں نے اللہ سے پرے کی ہے آپ جلد ہی ٹھیک ہو جاؤ گے اور بابی بھی واپس آ جائیں گی۔"

سر پر نماز کے سٹائل میں دوپٹہ اوڑھے صوفی اسے سن کر گئی تھی۔ وہ کتنا ظلم کر رہا تھا اپنے ساتھ خود سے منسلک رشتوں کے ساتھ اس نے صوفی کو ہرٹ کیا۔ کیا صرف اس دنیا میں طلسہ ہی تھی جسکے لئے وہ جی رہا تھا اسکے سوا کوئی نہیں؟

نہیں طلسہ سے بھی اہم ایک رشتہ تھا اسکے پاس۔ اس نے صوفی سے وعدہ کیا کہ اسکے بابا اسے ٹھیک ہو کر دکھائیں گے اور اسکے رب نے اسے سرخرو کیا تھا۔ وہ مرتے مرتے بچا تھا اور بچ کر اس نے صوفی کو گلے لگایا تھا۔ جو ''میرے بابا ہیرو کے نعرے لگاتی جھوم رہی تھی''

ہابی چاہتی تھیں کہ وہ طلسہ کو واپس لے آئے لیکن وہ ایسا ابھی نہیں چاہتا تھا لیکن اسکے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب یہاں اللہ کی مرضی تھی۔ وہ کبیر سے ملا تھا اور کبیر کی بتائی باتوں نے اسے ازحد پریشان کر دیا تھا کیا واقعی اسکی طلسہ اب اسکی نہیں رہی تھی۔ وہ کسی اور کی ہونے جا رہی تھی۔ کیا وہ واقعی بازل کی جگہ کسی اور کو دے سکتی تھی۔ بے شمار سوال اسکا دماغ پھاڑ رہے تھے۔ وہ مزید اپنا خون جلاتا اگر کبیر اسے حقیقت سے آگاہ نہ کر دیتا طلسہ کے بارے میں سب کچھ اگلے ہی دن آ کر کبیر نے اسے بتا دیا تھا۔ اس پر بازل کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔ واقعی انسان اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ اسکی طلسہ اسی کی تھی۔ پور پور اسکی محبت میں ڈوبی طلسہ اسکی نظروں کے سامنے بیٹھی تھی۔ اسکی طلسہ اسکے پیچھے بھاگی تھی اسے یقین تھا وہ ضرور واپس آئے گی اور وہ واقعی لمحے کا توقف کیئے بنا ہی اسکے پاس دوڑی چلی آئی تھی۔

''یعنی آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟''

سب کچھ بازل سے سننے کے باوجود بھی وہ اس سے سننا چاہ رہی تھی۔ بازل تہمان ہلکا سا مسکرایا تھا پھر آسمان کی طرف دیکھ کر بولا۔

''نہیں میں تم سے محبت نہیں کرتا بلکہ......'' اس نے ایک بار پھر طلسہ کی جانب دیکھا۔

''بلکہ میں تو تم سے عشق کرتا ہوں میری نادان بیوی۔'' اس نے طلسہ کی ناک پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔

''پر میں تو آپ سے محبت کرتی ہوں۔''

معصومیت کی انتہا پر پہنچ کر بولتی بازل کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر گئی۔

''اچھی بات ہے۔'' بازل بہت گہرا مسکرایا تھا۔

''اپنی محبت کو یہیں بریک لگالو کیونکہ اگر تمہیں مجھ سے عشق ہو گیا تو میں بھی نہیں جانتا کہ تمہارا کیا ہوگا۔''

اس نے کاندھے اچکائے تھے۔

''کیونکہ محبت میں تمہارا یہ حال ہے تو عشق میں کیا ہوگا۔''

بازل کی آنکھوں میں شرارت دیکھ کر وہ جھینپ گئی تھی۔

......

محبت روٹھ جائے تو

اسے بانہوں میں لے لینا

بہت ہی پاس کر کے

اسے جانے نہیں دینا

وہ دامن چھڑائے تو

اسے تم قسم دے دینا

دلوں کے معاملے میں تو

خطائیں ہو ہی جاتی ہیں

تم ان خطاؤں کو

بہانہ مت بنا لینا

بہت روٹھ جائے تو

اسے جلد منا لینا

بازل تہمان نے کہا تھا کہ میں اپنی محبت کو یہیں بریک لگالوں مگر وہ تو بے لگام گھوڑے کی طرح جیسے دوڑے ہی چلے جا رہی تھی اور یہ بے لگام گھوڑا آٹھ سال سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا۔

مجھے بازل تہمان کے ساتھ رہتے ہوئے آٹھ سال ہو گئے تھے۔ میری زندگی کے تمام شام وسحر اسی کی تحویل

میں تھے۔ ہماری دنیا بھرپور طریقے سے مکمل تھی اور اسے مزید مکمل ہمارے آنگن میں کھلنے والے دو پھولوں ہمارے بیٹے ''بالاج تہمان'' اور بیٹی ''حجاب تہمان'' نے کیا تھا۔

پاپا اور بازل کے درمیان کے تمام اختلافات ختم ہو گئے تھے بلکہ اب تو ان دونوں کی خوب بنتی تھی۔ سال میں ایک دفعہ سب مل کر اکٹھے ہوتے تھے جس میں صہیب بھی شامل تھا۔ طلسہ کے جذبات کو دیکھ کر صہیب نے کھلے دل کا مظاہرہ کیا تھا۔ تمام اختلافات و رنجشوں کو بالائے طاق رکھ کر اس نے بازل کی جانب سے دوستی کا ہاتھ تھاما تھا۔

اللہ نے میرے صبر کا بہترین پھل مجھے عطا کیا تھا اور اس کے لئے میں اسکی بہت شکر گزار ہوں۔ خیر گرمیوں کی چھٹیاں تھیں جیسا کہ میں نے بتایا سب سال میں ایک بار اکٹھے ہوتے تھے تو آج وہی دن تھا۔ سب میرے گھر جمع تھے۔ سب مطلب سارے پاپا، ماما، زرین، صہیب، انکا گولو سا بیٹا، ہابی، انکے ہسبنڈ صوفی، شامہ، عبد، خان پیاری سی رابیل کے ساتھ کبیر لوگوں کی تمام فیملی۔ سب آج تہمان ولا میں موجود تھے۔ وجہ حجاب کی برتھ ڈے تھی۔ پارٹی تو شام میں تھی لیکن بازل ابھی سے صوفی کی فرمائش پر کچن میں کیک بیک کرنے میں مصروف تھا۔

''صوفی بیٹا! بھائی کی ڈرائنگ کمپلیٹ ہوگئی ہے تو یہاں آ جاؤ دیکھو بابا کا کیک اوون سے باہر آ گیا ہے۔''

اس نے فرط جوش سے کیک نکال کر ٹیبل پر رکھا جہاں حجاب پہلے سے ہی بھاگتی ہوئی آ بیٹھی تھی۔

''بابا یہ تو کیوٹ نہیں ہے۔'' حجاب نے مایوسی سے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''ابھی کیوٹ ہو جائے گا آپ دیکھیں تو سہی۔''

وہ فریج سے کیک کو سجانے کی چیزیں نکالنے لگا۔

''بابا آپ اس پر چاکلیٹ بالز بھی لگانا ورنہ یہ بالکل اچھا نہیں لگے گا۔'' صوفی نے کسی ماہر شیف کی طرح اس سے کہا تھا۔

''جو حکم مائی لارڈ۔''

''میری چیریز وہ نہیں لگی تو کیک بالکل بلیک لگے گا۔''

بالاج کے بولنے کی بھی کسر رہ گئی تھی بازل نے بچوں کی ہدایت پر چاکلیٹ کیک کورین بو کیک بنا دیا تھا۔

''واؤ یہ تو بہت یمی لگ رہا ہے۔'' حجاب نے چہکتے ہوئے کہا۔ بازل کو اپنی محنت کا صلہ مل گیا۔

''ہے نا اب سٹرونگ سی پاری دو۔'' وہ حجاب کے سامنے جھک کر بولا تو اس نے جھٹ اسکے گال پر بوسہ دیا۔

''اب آپکی باری۔'' وہ صوفی کی جانب جھکا پھر وہ بالاج کی طرف آیا۔

''سوری ایم ناٹ گیوئنگ۔ آپکے چہرے کے بال مجھے ہرٹ کرتے ہیں۔'' اس نے منہ بناتے ہوئے کہا تھا

بازل نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''برخوردار! کچھ سالوں بعد آپکے چہرے پر بھی یہ آنے ہیں سو نخرے چھوڑو اور بابا کو سٹرونگ سی کس دو۔ چلو جلدی کرو۔''

اسکے جھکنے پر بالاج نے اسکی ناک کو چوما تھا۔ بازل سرشار ہوا۔

''چلو بابی، کو کیک دکھاتے ہیں۔''

صوفی کی دیکھا دیکھی بالاج اور حجاب بھی طلسہ کو بابی کہتے تھے۔

وہ کیک اٹھاتا کچن سے باہر آیا تھا۔ صوفی کے دونوں ہاتھ تھامتے بالاج اور حجاب بھی اسکے قدموں سے قدم ملا کر دوڑ رہے تھے

''طلسہ! دیکھو کیک ریڈی ہو گیا ہے۔''

لاؤنج میں اس وقت سب براجمان باتوں میں مصروف تھے اس نے سینٹر ٹیبل پر کیک رکھ دیا۔

''واؤ بازل! آپ نے تو بہت ہی زبردست کیک بنایا ہے۔'' اس نے دل سے تعریف کی۔ وہ خوشی سے پھول گیا۔ سب نے اسکے کیک کی تعریف کی تھی۔ شمامہ نے کیک پر کینڈلز لگائیں اور حجاب کو کاٹنے کو کہا۔ پورے لاؤنج میں ہیپی برتھ ڈے کا شور مچ گیا تھا۔ فضا میں خوشگواریت پھیل گئی۔

''بازل بھائی! ایک سونگ ہو جائے۔'' زرین نے کہتے ساتھ ہی اسکے ہاتھ میں گٹار تھمایا تھا

''کیوں نہیں۔''

بازل نے کفس فولڈ کرتے ہوئے گلا کھنکارا۔

’’May i‘‘ اسکی مخاطب طلسہ تھی۔اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

Willyouevercomefindme

Willyouevercomefindme

Willyoueverbemine?

Needyounow,ohholdmecloser

Needyounow,ohholdmecloser

Stopthewheelsoftime

Wheniclosemyeyes

You‘reherebymyside

Ohwheniclosemyeyes

You‘rebymyside

Allieverreallyneedisyourlove

Nothingicouldsaywouldeverbeenough

Stayalittlelongerwithmebaby

Won’tyoustayalittlelongrwithmeee.

وہ گٹار کی تاروں کو چھیڑتا گائے جا رہا تھا۔اسکی نظریں طلسہ پر جمی تھیں۔طلسہ بہت عقیدت و محبت سے اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی۔بازل تہمان طلسہ کا یوں دیکھنا بہت انجوئے کر رہا تھا۔

بازل تہمان نے واقعی اسکی زندگی کو جنت بنا دیا تھا۔اسکی شام و سحر کو نکھار دیا تھا۔خوشیاں جھوم جھوم کر انکے گھر میں رقص کر رہی تھیں۔زندگی واقعی بہت حسین ہو گئی تھی۔اللہ نے انہیں اپنی رحمتوں سے خوب نوازا تھا۔ہر طرف محبت کے رنگ و خوشبو بکھرے ہوئے تھے۔آگے سکون زندگی کی نوید سنا رہی تھی۔

......ختم شد......